

لا تفسدوا فی الارض

تصنیف

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقویؒ

ناشر

نور ہدایت فاؤنڈیشن

حسینیہ حضرت غفران مآبؒ، مولانا کلب حسین روڈ، چوک،

لکھنؤ-۲۲۶۰۰۳ (یو۔ پی۔)۔ انڈیا

Noor-e-Hidayat Foundation

Imambara Ghufuranmaab, Maulana Kalbe Husain Road,

Chowk, Lucknow-3 INDIA

Website: www.noorehidayatfoundation.org

www.naqeeblucknow.com

E-mail: noorehidayat@gmail.com, noorehidayat@yahoo.com

Ph:0522-2252230 Mob :08736009814,09335996808

الانفصاف فی الاماکن

از افادات

جناب سید العلماء مولانا سیدی نقی صاحب قصبہ محبہ عصر

مدظلہ العالی

مطبوعہ فرارز قومی پریس کورسٹریٹ لکھنؤ

۱۳۲	حاکم بصرہ کو امیر المومنین کی تنبیہ	۵۵
۱۳۳	نظام جمہوریت اور اجتماعی فسادات	۵۶
۱۵۲	تہذیب تمدن کے نام پر فساد کی کارفرمائی	۵۷
۱۵۶	دنیا کی ترقی یا تنزل کی رفتار	۵۸
۱۶۱	طبائع انسانی میں فساد کے تقاضے	۵۹
۱۶۴	صلاح اور فساد کی ذمہ دار طاقتوں کی تشریح	۶۰
۱۶۵	علمائے مذہب کی مصلحانہ حیثیت	۶۱
۱۶۶	تقلید کی ضرورت	۶۲
۱۶۸	نام نہاد علماء کی مفسدانہ مضرت	۶۳
۱۷۷	بچے اور چھوٹے میں امتیاز یا تقلید کے شرائط	۶۴
۱۷۸	تقلید کو مانہ کی مذمت	۶۵
۱۸۱	علمائے حقیقی کے مصلحانہ خدمات	۶۶
۱۸۲	جناب سلطان العلماء کا تاریخی مراسلہ	۶۷
۱۸۴	سرکار میرزا کے شیرازی کا اصلاحی کارنامہ	۶۸
۱۸۵	حالات حاضرہ یا دنیا کے موجودہ فسادات	۶۹
۱۸۶	لامذہبیت کا سیلاب	۷۰
۱۸۷	مذہب کے ذریعہ فساد قرار دیے جانے کا دفعیہ	۷۱
۱۸۹	تحقیق مذہب کی ضرورت	۷۲
۱۹۰	اسلام میں امن و امان اور مساوات	۷۳
۱۹۱	باہمی اختلافات کا فساد	۷۴
۱۹۳	مسلمانوں کا افسوسناک افتراق اور اسکے ہوناک اثرات	۷۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة على سيد الانبياء والمرسلين
الابن لقاسم محمد خاتم النبيين والصلوة الطيبين الطاهرين
المعصومين من يومنا هذا الى يوم الدين -

تمہید بیان

لا تقسدا فی الارض، یہ میرا سزائمہ بیان ہر جواب کی نگاہوں کے
سامنے آچکا ہر اسل شہر میں جو بطور دعوت نامہ شائع کیا گیا تھا -

آپ نے ملاحظہ کیا ہو گا کہ میرا موضوع کلام ان دس دنوں میں فساد فی الارض
اس کے انواع و اقسام، ان کے علل اسباب و اس سلسلہ میں مذہب اسلام کے
تعلیمات پر مشتمل ہے -

غیر خوش آئند موضوع، ناخوشگوار الفاظ اور ناگوار مفہوم کا حامل اس نکتہ
کو اگرچہ دنیا اس راستے کی سالک کے جسے الفاظ ذہن میں لایے ہیں لیکن کوئی انسان
اپنی طرف اس مفہوم کی نسبت دینے کو تیار نہیں کر سکتا -

گو یا مقام الفاظ میں فساد فی الارض کا وجود ہی نہیں ہو حالانکہ مقام عمل میں
دنیا اس سے لبریز ہے -

امامیہ لکھنؤ کی کاؤ نوں دینی مہمت

چار سال سے میرے الٰہیوں میں حضرت سید العلماء ادا م طلبہ کے جو
مکرکار اور مواعظ ہوتے ہیں جن میں ہر مذہب کی تکت ہزار ہا افراد و الہام
کیساتھ شریک ہوتے ہیں انہیں برابر امامیہ کی جانب سے شارٹ مہیند کے
ذریعہ قلمبند کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔

صرف گذشتہ سال کے بیانات بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر شائع نہیں
ہو سکے جس کا ہمیں انتہائی افسوس ہے۔

اس سال کے بیانات جو لغایت صفر ۱۳۵۶ھ و دس روز تک مسلسل
میرے الٰہیوں میں ہوئے جس موضوع سے متعلق ہیں اس کا تقاضا تھا کہ انہیں
جلد از جلد قوم کے سامنے پیش کر دیا جائے تاہم میں خوشی ہے کہ ہم اس مقصد میں
کامیاب ہو رہے ہیں۔ ہر سال شارٹ مہیند سے قلمبند کرنے کی خدمت میں خود
انجام دیتا تھا لیکن اس سال مجھے انتہائی مسرت ہے کہ اس خدمت کو بحسن و خوبی
میرے عزیز ہونا شاگرد محمد طاہر صفائی نے انجام دیا ہے جسے میں اپنی طبیعت کا
مخبر سمجھتا ہوں۔ خدا دے کہ جو ان قوم کو اس طرح کے خدمات انجام دینے کی توفیق
عطا فرمائے والے سلام

خادم مذہب
سید محمد رضا نقوی سکریٹری امامیہ لکھنؤ

اس بدترین صفت کے حامل میں جس کی نسبت کو ہم اپنی طرف ہرگز گوارا نہیں کر سکتے
اس طرح ایک چمکا ہے جو طبیعت انسانی کو بار بار پہنچے گا اور ایک ٹھیک
جو خاطر صحا کے نازک آئینوں کو برابر لگے گی۔

بہر حال میرا موضوع یہی ہر اور مجھے اس کے متعلق بیان کرنا ہی اور چونکہ ہمیں
کوئی شخصی بحث نہیں ہے بلکہ کلیات ہیں اور ایسے کلیے جو تمام دنیا کو شامل ہیں اور
کرہ ارض کے کسی قطعہ سے مخصوص نہیں ہیں کیونکہ تمام عالم کے اجزاء اپنے ضروریات کے
اعتبار سے اپنے مختلف حالات کے اعتبار سے اور ان اسباب کے لحاظ سے جو ان کی ترقی
کے لئے ضروری ہیں یا ان کی تنزلی کا باعث ہیں ایک حد تک شراکت کرتے ہیں۔ یہ
اور بات ہے کہ کسی خاص قطعہ ارض میں کم اور کہیں زیادہ لیکن بہر حال بحیثیت مجموعی
اجزائے عالم اپنے میں فساد رکھتے ہیں۔ اب اس کا کسی کو برائہ ماننا چاہیے۔

اس وقت تمام عالم ان مصیبتوں میں مبتلا ہے۔ کوئی خاص چاعت، کوئی
خاص طبقہ، کوئی خاص محل اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عالم کا ہر شخص اس کا
طالب ہے کہ کسی طرح یہ مصیبتیں دفع ہوں کسی طرح امن و سکون، راحت و اطمینان
کی زندگی نصیب ہو۔

اس وقت میں اگر کوئی شخص یہ احساس پیدا کرنے کی کوشش کرے کہ اس
کیا ہیں اور ان کے دفعیہ کی کیا صورت ہے؟ گویا تدا بیر ہیں جن سے امن و اطمینان
اور وہ زندگی کا درجو بے چینی کی حالت میں گدہ پادہ زدہ راحت و سکون کی صورت

کوئی انسان ایسا نہ ہوگا جو اقرار کرے کہ میں فساد فی الارض کا مرتب ہوں
گویا الفاظ ایسے ہیں کہ ناگہانی انکی فطرت میں اٹل ہوا در طبع انسانی پر گراں گزرتا
ان کا لازمی خاصہ ہے۔

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان اصل فطرت کے لحاظ سے صلح پسند واقع ہوگا
یہ سب باخارجی اور دوسرے حالات ہوتے ہیں جو فطرت صحیح پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور
انسان کے ذاتی جو ہر شرافت کو مدغم کر کے اس کو فساد کے راستے پر گامزن کرتے ہیں۔
اسی لئے باوجود اسکے کہ وہ اس راستے کے سالک ہیں لیکن پہر بھی انہیں اس کے
نام سے محبت نہیں پیدا ہوتی حالانکہ دنیا میں جو کسی مسلک کا راہرو ہو وہ اس مسلک
کی حمایت کرتا ہوا دیکھتا ہے کہ وہ ٹھیک ہی ہو۔ اسی وجہ سے اختلاف آرا پیدا
ہوتا ہے جس چیز کو آپ بد سے بدتر سمجھتے ہیں دوسرا اس کو بہتر سے بہتر سمجھتا ہے
آپ سرمایہ تنگ قرار دیتے ہیں وہ اس کو سرمایہ افتخار سمجھتا ہے۔

لیکن فساد فی الارض، یہ چیز ہی ایسی کہ لاکھ انسان اس راستے پر
گامزن ہو لیکن وہ خود اس سے نفرت ہی کرتا ہے۔

پھر ایسی چیز کے متعلق حاضرین کے سامنے روزانہ تفصیل ہوتی ہے، اس
ضرورت طبیعت کو گریز ہونا چاہیے خصوصاً جبکہ اسے عنوان کلام قرار دینا بتلا رہا ہے کہ
دنیا کو اس سب کے یاد دلانے کی ضرورت ہے۔

اس کا نتیجہ ہونا چاہیے کہ طبیعت انسانی پر بار پڑے اور یہ احساس ہو کہ کیا ہم

اور پھر ظاہری طور پر مختلف اعضا و جوارح سے مرکب ہے۔ جب تک اجزاء مجتمع ہیں اس
مجموعہ کا وجود ہے اور اگر یہ اجزاء مجتمع نہ رہیں تو یہ مجموعہ بھی فنا ہو جائے۔ اسی طرح
عالم انسانیت کا مجموعہ بھی افراد و قوام کے اجتماع پر مبنی ہے اور اگر پیشی راہ اجتماع
پر ہم ہر دو جگہ تو عالم انسانیت کا وجود نہ ہوتا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ مرکبات کے وجود کے لئے صرف اجزاء کا کسی نہ کسی صورت پر
ہم اور یکجا ہونا کافی نہیں ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ ان کا اجتماع تناسب کے تحت ہو
یعنی ہر جزو دوسرے جزو کے لحاظ سے اس کی مراعات کیساتھ، اس کا خیال کر کے
داخل ہوا ہو۔ اور اگر اجزاء یکجا ہو گئے ہیں مگر آپس میں مناسبتوں کا لحاظ نہیں،
باہمی مراعات نہیں تو وہ تمام اجزاء ایک دوسرے پر مگر ان سے ایک نئی واحد جیسے
مرکب کہہ سکیں طیارہ ہو سکے گی۔

جیسے اینٹوں کا ڈھیر جسے ایک مزدور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل
کرے ماسے اور لیجا کر ڈالتا ہے۔ اسے کوئی خیال نہیں ہوتا کہ ان اینٹوں میں کوئی
ترتیب ہو۔ کوئی تناسب ہو اسے تو انھیں ڈھیر کی صورت میں لگا دینے سے مطلب ہے
اینٹیں باہم دیگر باہم باہم ضرور ہیں مگر چونکہ ان کا اجتماع کسی تناسب پر مبنی
نہیں ہے اس لئے ان کے اجتماع سے کوئی دھاتی حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی۔

لیکن اگر انہی اینٹوں کو آپ کسی معمار کو دیجئے۔ وہ بھی ان اینٹوں کو مجتمع
صورت سے پہلو پہلو رکھے گی گا مگر اس میں ترتیب ملحوظ ہوگی۔ ایک اینٹ دوسری

میں تبدیلی ہو کر یقیناً یہ تمام باتیں سننے کے قابل ہیں۔
یاد رکھنا چاہیے کہ تلخ دوا نتیجہ نہ شکرارہ ہوتی ہے اس لئے کہ مرض ایسی ناگوار
چیز اسی کے ذریعہ سے دفع ہوتی ہے۔

میرے بیانات اگر کسی کے لئے تلخ، بد مزہ، غیر دلچسپ اور غیر دکا دیزہ ثابت ہو اور یقیناً
ہونگے اس لئے کہ اس ادبی ہیرو لچسپی کا وجود نہیں ہے۔ یہ خازن ہر جس میں خوشگوار
منظر تفریح نصیب ہیں ہو سکتے۔ تو اس سے بدل نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے بیان کیلئے
ہمیشہ میں جمع کو یہ کہہ کر سننے کی دعوت دیتا ہوں کہ وہ دلچسپی کی توقع نہ رکھے۔ یہ آپ کو
دھوکا نہیں دینا چاہتا کہ الفاظ کا سبب باغ دکھلا کر یہ توقع قائم کروں کہ میں بیان دلچسپ ہو گا
بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ میں بیان کرتا ہوں کہ مجھے ایک غیر دلچسپ چیز بیان کرنا ہے اور سننے والوں کو
یہ سمجھ کر سننے کی عورت یا ہوں کہ حقیقتہً وہ ایک غیر دلچسپ چیز سنینگے جہاں تک سننے کے مفاد کا تعلق
ہے اگر کوئی جو کچھ میں کہتا ہوں اسے سنے اور سمجھے تو میری محنت ٹھکانے لگے گی اگر کوئی بھی سنے
تو کہنا میرا فرض ہے۔ کس لٹریچر یا لٹریچر میں گفتگو کیے مکینم۔

فساد فی الارض کا انفرادی و اجتماعی مفہوم

لا تفسد الارض (ارض) اس میں سب سے پہلے ضرورت اس امر کے بیان کرنے
کی ہے کہ فساد کیا چیز ہے۔ پھر یہ کہ جب اس فساد کی نسبت روئے زمین کی طرف دیکھا جائے
تو اس کے مفہوم میں کیا تبدیلی پیدا ہوتی ہے،
اس کے لئے یہ سمجھنا چاہیے کہ جس طرح ہیکل انسانی مختلف عناصر مختلف نظام

لیکن وہ مفرد دوائیں بجائے خود دوا کی رکنی چوٹی ہوں اور زمانہ دراز کی طبیعت و برودت کے اثر کو برداشت کئے ہوئے اپنے خصوصیات ذاتی کھوئے ہوئے اپنے آثار و خواص کو خیر باد کہے ہوئے ۔ ان اجزاء کو ملا کر اپنے ترکیب یا مگر چونکہ مفردات ناقص تھے اس لئے اُن کا مجموعہ جو ہوگا وہ بھی ناقص ہوگا یہاں فساد جو پیدا ہوا ہے وہ مفردات کی خرابی سے ۔ اس خرابی کے درجے مختلف ہوتے رہتے ہیں فرض کیجئے جتنی دوائیں تھیں سب ہی ناقص تھیں تو اُن کا مجموعہ بالکل ہی ناقص ہوگا اور ممکن ہو کہ بعض دوائیں کامل ہوں اور بعض ناقص تو اُن کا مجموعہ ایک متوسط درجہ پر ہوگا جو کسی حد تک ناقص ضرور ہوگا مگر اتنا نہیں جتنا پہلی قسم کا ناقص مرکب ۔

اب اگر فرض کیا جائے کہ سب جزو کامل در ایک جزو ناقص تو ممکن ہو یہ مجموعہ اپنے مفاد و مقصد کو پورا کرے مگر بہر حال کسی درجہ تک اُس میں نقص ضرور موجود ہوگا یعنی اُس مجموعہ کی نسبت جس میں وہ ایک جزو بھی ناقص نہوتا بلکہ حسبِ جزو کامل ہی ہوتے ۔

دوم ہوا کہ اس طرح کا نقص مجموعہ میں مفردات کی بنا پر پیدا ہونا ضروری ہو اس کے برخلاف یہ صورت ہے کہ مفردات بجائے خود اپنے حدود میں ٹھیک ہیں اور ہر ایک اپنے خاص دائرہ کار کا حامل ہو مگر ترکیب میں خرابی ہوئی ہو خرابی کی بھی دو صورتیں ہیں ایک مقدار کے لحاظ سے یعنی ہر عنصر کو جتنا ہونا

اینٹ کے لحاظ سے رکھی جائیں گی۔ اگر کوئی بڑی اینٹ ہو اور اس کے دوسری اینٹ کے پاس
 رکھ دینے سے وہ استقامت، وہ درستی کہ جو ہونا چاہیے موجود نہ رہے گی تو وہ عمارت
 اس اینٹ کو وہاں سے ہٹا دیگا۔ وہ اینٹ رکھ دیگا جو اس جگہ کے مناسب ہو۔
 یہ رد و بدل کس لئے ہے بہرہ تناسل کے لحاظ سے جب اس خصوصیت کو ملحوظ رکھ کر
 وہ اینٹیں یکجا ہو گئیں تو ان کے اجتماع سے ایک واحد مرکب عالم وجود میں آ گیا جس کا
 نام ہے دیوار۔

مسلم ہو کہ کسی ہیئتِ وحدانی کے مائل ہونے کے لئے صرف کثرت کے اجزاء کا مجتمع
 ہو جانا کافی نہیں بلکہ ضرورت ہے اس بات کی کہ اس کثرت کے اجزاء آپس میں ایک
 دوسرے کے لحاظ کیا ساتھ ہم چمے ہوں جس وقت تک مناسبتیں قائم رہیں گی
 اس وقت تک نظامِ مجموعی صلاحیت کے حدود میں رہیگا۔ اور جس وقت میں
 یہ مناسبتیں مفقود ہو گئیں تو اس وقت میں وہ نظام خراب ہو جائیگا۔ اس کا
 نام ہے فساد۔

اب ہو سکتا ہے کہ وہ اجزاء جس سے اس مجموعہ کی ترکیب ہوئی ہو ان میں سے
 ہر ایک خود بھی بجائے خود خراب ہو مثلاً ایک امیون کی صورت میں مختلف اجزاء
 سے مرکب ہو۔ وہ تمام اجزاء اپنی احتیاط اختیار کرتے رہیں گے۔ ان کا وزن
 مناسب رکھا جائے گا اور وہ اتنی ہی مقدار میں جتنی ہونی چاہیے اتنی ہی داخل
 کی جائے گا اور صورت پر ان اجزاء کو مخلوط کرنا چاہیے اسی طرح مخلوط کئے جائیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة على سيد الانبياء المرسلين
ابن لقاسم محمد خاتم النبيين والصلوة الطيبين الطاهرين
المعصومين من يومنا هذا الى يوم الدين -

تمہید بیان

لا تقصدوا في الارض، یہ میرا سفر نامہ بیان ہر جواب کی نگاہوں کے
ساتھ آچکا ہو اس شہتار میں جو بطور دعوت نامہ شائع کیا گیا تھا۔

آئیے ملاحظہ کیا ہو گا کہ میرا موضوع کلام ان دس دنوں میں فساد فی الارض
اس کے انواع و اقسام، ان کے علل اسباب و اس سلسلہ میں مذہب اسلام کے
تعلیمات پر مشتمل ہے۔

غیر خوش آئند موضوع، ناخوشگوار الفاظ اور ناگوار مفہوم کا حامل اس جگہ
کہ اگرچہ دنیا اس بات کی سالک ہے جسے الفاظ ذہن میں لایے ہیں لیکن کئی انسان
انہی طرف اس مفہوم کی نسبت دینے کو لوار نہیں کر سکتا۔

گو یہاں مقام الفاظ میں فساد فی الارض کا وجود ہی نہیں بچا لانکہ مقام عمل میں
دنیا اس سے لبریز ہے۔

امامیہ لکھنؤ کی گاؤں و دیہات

چار سال سے مدرسۃ الاعظمین میں حضرت سید العلماء ادا م طلبہ کے جو معرکۂ ادا م و معظمت ہوتے ہیں جن میں ہر مذہب کی ہزار ہا افراد و اہل تشیع کیساتھ شریک ہوتے ہیں انہیں برابر امامیہ کی جانب سے شارٹ ہینڈ کے ذریعہ قلمبند کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔

صرف گزشتہ سال کے بیانات بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر شائع نہیں ہو سکے جس کا ہمیں انتہائی افسوس ہے۔

اس سال کے بیانات جو لغایت صفر ۱۳۵۶ء و دس روز تک مسلسل مدرسۃ الاعظمین میں ہوئے تھے جس موضوع سے متعلق ہیں اس کا تقاضا تھا کہ انہیں جلد از جلد قوم کے سامنے پیش کر دیا جائے مگر ہمیں خوشی ہے کہ ہم اس مقصد میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ ہر سال شارٹ ہینڈ سے قلمبند کرنے کی خدمت میں خود انجام دیتا تھا لیکن اس سال مجھے انتہائی مسرت ہے کہ اس خدمت کو سچن خوبی میرے عزیز ہونا شاگرد محمد طاہر صفائی نے انجام دیا ہے جسے میں اپنی رضا کا شکر سمجھتا ہوں۔ خدا و سر لوزا ان قوم کو اس طرح کے خدمات انجام دینے کی توفیق

عطا فرمائے دالسلام
خادم مذہب
سید محمد رضا نقوی سکریٹری امامیہ لکھنؤ

اس بزرگ صفت کے حامل ہیں جس کی نسبت کو ہم اپنی طرف ہرگز گوارا نہیں کر سکتے
اس طرح ایک چمکا ہے جو طبیعت انسانی کو بار بار پہنچے گا اور ایک ٹھیکہ
جو خاطر و محاسن کے نازک آئینوں کو برابر لگے گی۔

بہر حال میرا موضوع یہی ہوا اور مجھے اس کے متعلق بیان کرنا ہی اور چاہئے کہ اس میں
کوئی شخصی بحث نہیں ہو بلکہ کلیات ہیں اور ایسے کلیے جو تمام دنیا کو شامل ہیں اور
کرہ ارض کے کسی قطعہ سے مخصوص نہیں ہیں کیونکہ تمام عالم کے اجزاء اپنے ضروریات کے
اعتبار سے اپنے مختلف حالات کے اعتبار سے اور ان اسباب کے لحاظ سے جو ان کی ترقی
کے لئے ضروری ہیں یا ان کی تنزلی کا باعث ہیں ایک حد تک مشترک کہتے ہیں۔ یہ
اور بات ہے کہ کسی خاص قطعہ ارض میں کم اور کہیں زیادہ لیکن بہر حال بحیثیت مجموعی
اجزائے عالم اپنے میں فساد رکھتے ہیں۔ اب اس کا کسی کو پرانا ماننا چاہیے۔

اس وقت تمام عالم ان مصیبتوں میں مبتلا ہے۔ کوئی خاص جماعت، کوئی
خاص طبقہ، کوئی خاص محل اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہو بلکہ عالم کا ہر شخص اس کا
طالب ہے کہ کسی طرح یہ مصیبتیں دفع ہوں کسی طرح امن و سکون، راحت و اطمینان
کی زندگی نصیب ہو۔

اس وقت میں اگر کوئی شخص یہ احساس پیدا کرنے کی کوشش کرے کہ اس
کیا نہیں اور ان کے دفعیہ کی کیا صورت ہے؟ کیا تداہیر ہیں جن سے امن و اطمینان حاصل ہو
اور وہ زندگی کا دور چوبے عینی کی حالت میں گزر رہا ہو وہ راحت و سکون کی صورت

کوئی انسان ایسا نہ ہوگا جو اقرار کرے کہ میں فساد فی الارض کا مرتکب بنوں
گویا الفاظ ایسے ہیں کہ ناگوار ہی انکی فطرت میں اٹل ہوا اور طبع انسانی پر گراں گزرنے
ان کا لازمی خاصہ ہے۔

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان اصل فطرت کے لحاظ سے صلح پسند واقع ہوا ہے
یہ اسباب خارجی اور دوسرے حالات ہوتے ہیں جو فطرت صحیح پر بڑے ڈالتے ہیں اور
انسان کے ذاتی جو ہر شرافت کو مذہم کر کے اُس کو فساد کے راستے پر گامزن کرتے ہیں۔
اسی لئے باوجود اسکے کہ وہ اس راستے کے سالک ہیں لیکن پہنچنے نہیں اُس کے
نام سے محبت نہیں پیدا ہوتی حالانکہ دنیا میں جو کسی مسلک کا راہرو ہو وہ اس مسلک
کی حمایت کرتا ہوا رہتا ہے کہ وہ ٹھیک ہی ہے۔ اسی وجہ سے اختلاف آرا پیدا
ہوتا ہے جس چیز کو آپ بد سے بدتر سمجھتے ہیں دوسرا اُس کو بہتر سے بہتر سمجھتا ہے
آپ سرمایہ تنگ قرار دیتے ہیں وہ اُس کو سرمایہ افتخار سمجھتا ہے۔

لیکن فساد فی الارض، یہ چیز ہی ایسی کہ لاکھ انسان اس راستے پر
گامزن ہو لیکن وہ خود اُس سے نفرت ہی کرتا ہے۔

پھر ایسی چیز کے متعلق حضرن کے سامنے روزانہ تفصیل ہوتی ہے، اس
ضرورت طبیعت کو گریز ہونا چاہیے خصوصاً جبکہ اسے عنوان کلام قرار دینا بتلا رہا ہے کہ
دنیا کو اس سبق کے یاد دلانے کی ضرورت ہے۔

اس کا نتیجہ ہونا چاہیے کہ طبیعت انسانی پر بار پڑے اور یہ احساس ہو کہ کیا ہم

اور پھر ظاہری طور پر مختلف اعضا و جوارح سے مراد ہے۔ جب تک اجزاء مجتمع ہیں اس
مجموعہ کا وجود کم اور اگر یہ اجزاء مجتمع نہ رہیں تو یہ مجموعہ بھی فنا ہو جائے۔ اسی طرح
عالم انسانیت کا مجموعہ بھی افراد و قوم کے اجتماع پر مبنی ہے اور اگر بیشمارہ اجتماع
پر ہم ہر دو جائے تو عالم انسانیت کا وجود نہ صحت ہو جائے۔

لیکن یاد رہے کہ مرکبات کے وجود کے لئے صرف اجزاء کا کسی نہ کسی صورت پر
ہم اور یکجا ہونا کافی نہیں ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ ان کا اجتماع تناسب کے تحت ہو
یعنی ہر جزو دوسرے جزو کے لحاظ سے اس کی مراعات کیا تھ، اس کا خیال کر لیں
داخل ہوا ہو۔ اور اگر اجزاء یکجا ہو گئے ہیں مگر آپس میں مناسبتوں کا لحاظ نہیں،
بہی مراعات نہیں تو وہ تمام اجزاء یکجا ضرور ہیں مگر ان سے ایک شے واحد جسے
مرکب کہہ سکیں طیارہ بنو سکے گی۔

جیسے اینٹوں کا ڈھیر جسے ایک مزدور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل
کر رہا ہے اور لیجا کر ڈال دیتا ہے۔ اسے کوئی خیال نہیں ہوتا کہ ان اینٹوں میں کوئی
ترتیب ہو۔ کوئی تناسب ہو اسے تو انھیں ڈھیر کی صورت میں لگا دینے سے مطلب ہے
یہ اینٹیں باہم دیگر پاس پاس ضرور ہیں مگر چونکہ ان کا اجتماع کسی تناسب پر مبنی
نہیں ہے اس لئے ان کے اجتماع سے کوئی دعوائی حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی۔

لیکن اگر انہی اینٹوں کو آپس میں مٹا کر دیجئے۔ وہ بھی ان اینٹوں کو مختلف
صورت سے پہلو پہلو رکھے ہی گا مگر اس میں ترتیب ملحوظ ہوگی۔ ایک اینٹ دوسری

میں تبدیل ہو کر یقیناً یہ نام باقی سننے کے قابل ہیں۔
یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخِ دوا نتیجہٴ خوشگوار ہوتی ہے اس لئے کہ مرض ایسی ناگوار
چیز اُسی کے ذریعہ سے رفع ہوتی ہو۔

میرے بیانات اگر کسی کے لئے تلخ، بد مزہ، غیر دلچسپ اور غیر دلآویز سمجھے جائیں تو یقیناً
ہونگے اس لئے کہ اس ادویہ میں دلچسپی کا وجود نہیں ہے۔ یہ خازنِ ہر جس میں خوشگوار
مناظر تفریح نصیب ہیں ہو سکتے۔ تو اس سے بدل نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے بیان کیلئے
ہمیشہ میں شمع کو یہ کہہ کر سننے کی دعوت دیتا ہوں کہ وہ دلچسپی کی توقع نہ رکھے۔ میں آپ کو
دھوکا نہیں دینا چاہتا کہ الفاظ کا سنبھال دھلا کر یہ توقع قائم کروں کہ میں بیان دلچسپ ہو گا
بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ بیان کرتا ہوں کہ مجھے ایک غیر دلچسپ چیز بیان کرنا ہے اور سننے والوں کو
یہ سمجھ کر سننے کی دعوت دیتا ہوں کہ حقیقتہً وہ ایک غیر دلچسپ چیز سنیں گے جہاں تک سننے کے مفاد کا تعلق
ہو گا اگر کوئی جو کچھ میں کہتا ہوں اسے سنے اور سمجھ کر دوسری محنت ٹھکانے لگے گی اگر کوئی بھی نے
تو کہنا میرا فرض ہے کہ کس شبنو یا شبنو سن گفتگو کیے مکینم۔

فساد فی الارض کا انفرادی و عمومی مفہوم

لا تفسد الارض (ارض) اس میں سب سے پہلے ضرورت اس امر کے بیان کرنے
کی ہے کہ فساد کیا چیز ہے۔ پھر یہ کہ جب اس فساد کی نسبت روئے زمین کی طرف دیکھائے
تو اس کے مفہوم میں کیا تبدیلی پیدا ہوتی ہے؟
اس کے لئے یہ سمجھنا چاہیے کہ جس طرح ہیکلِ انسانی مختلف عناصر مختلف مختلف

لیکن وہ مفرد دوائیں بجائے خود دوا کی رکنی چوٹی ہوں اور زمانہ دراز کی عیوب و برودت کے اثر کو برداشت کئے ہوئے اپنے خصوصیات ذاتی کھوئے ہوئے اپنے آثار و خواص کو خیر باد کہے ہوئے۔ ان اجزاء کو ملا کر اپنے ترکیب یا مگر چونکہ مفردات ناقص تھے اس لئے اُن کا مجموعہ جو ہوگا وہ بھی ناقص ہوگا۔ یہاں فساد جو پیدا ہوا ہے وہ مفردات کی خرابی سے۔ اس خرابی کے درجے مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ فرض کیجئے جتنی دوائیں تقیں سب ہی ناقص تقیں تو اُن کا مجموعہ بالکل ہی ناقص ہوگا اور ممکن ہے کہ بعض دوائیں کامل ہوں اور بعض ناقص تو اُن کا مجموعہ ایک متوسط درجہ پر ہوگا جو کسی حد تک ناقص ضرور ہے مگر اتنا نہیں جتنا پہلی قسم کا ناقص مرکب۔

اب اگر فرض کیا جائے کہ سب جزو کامل در ایک جزو ناقص تو ممکن ہے یہ مجموعہ اپنے مفاد و مقصد کو پورا کرے مگر بہر حال کسی درجہ تک اُس میں نقص ضرور موجود ہوگا یعنی اُس مجموعہ کی نسبت جس میں وہ ایک جزو بھی ناقص نہوتا بلکہ حسبِ بزرگوں ہی ہوتے۔

معلوم ہوا کہ اس طرح کا نقص مجموعہ میں مفردات کی بنیاد پیدا ہونا ضروری ہے۔ اس کے برخلاف یہ صورت ہے کہ مفردات بجائے خود اپنے حدود میں ٹھیک ہیں اور ہر ایک اپنے خاص و آثار کا حامل ہے مگر ترکیب میں خرابی ہوئی ہے خرابی کی بھی دو صورتیں ہیں ایک مقدار کے لحاظ سے یعنی ہر عنصر کو جتنا ہونا

اینٹ کے لحاظ سے رکھی جائیں گی۔ اگر کوئی بڑی اینٹ ہو اور اسکے دوسری اینٹ کے پاس رکھ دینے سے وہ استقامت، وہ درستی کہ جو ہونا چاہیے موجود نہ رہے گی تو وہ حمار اس اینٹ کو وہاں سے ہٹا دیگا۔ وہ اینٹ رکھ دیگا جو اس جگہ کے مناسب ہو۔ یہ رد و بدل کس لئے ہے ہر تناسب کے لحاظ سے جب اس خصوصیت کو ملحوظ رکھ کر وہ اینٹیں یکجا ہو گئیں تو ان کے اجتماع سے ایک واحد رک عالم وجود میں آگیا جس کا نام ہے دیوار۔

معلوم ہوا کہ کسی ہیئتِ وحدانی کے حامل ہونے کے لئے صرف کثرت کے اجزاء کا مجتمع ہونا کافی نہیں بلکہ ضرورت ہے اس بات کی کہ اس کثرت کے اجزاء آپس میں ایک دوسرے کے لحاظ کیساتھ ہم پے ہوں جس وقت تک مناسبتیں قائم رہیں گی اس وقت تک نظامِ نبوی صلا حیت کے حدود میں رہیگا۔ اور جس وقت میں یہ مناسبتیں مفقود ہو گئیں تو اس وقت میں وہ نظام خراب ہو جائیگا۔ اس کا نام ہے فساد۔

اب ہو سکتا ہے کہ وہ اجزاء جس سے اس مجموعہ کی ترکیب ہوئی ہو ان میں سے ہر ایک خود بھی جائے خود خراب ہو مثلاً ایک امیج کی صورت میں مختلف اجزاء سے مرکب ہو۔ وہ تمام اجزاء لاپرواہی احتیاط اختیار کر تیٹ لئے جائیں۔ ان کا ذہن مناسب لکھا جائے اور ہر دو اتنی ہی مقدار میں جتنی ہوئی چاہیے اتنی ہی داخل کی جائے اور جب صورت پران اجزاء کو مخلوط کرنا چاہیے اسی طرح مخلوط کئے جائیں

وہ مجموعہ بھی ناقص اور اپنی صلاحیتوں کے حدود میں غیر مکمل ہوگا۔

بے شک انسان کے درجے مختلف ہیں۔ اگر ہر فرد ناقص ہی تو مجموعہ سر تا پا ناقص ہوگا اور اگر بعض افراد ناقص ہیں اور بعض کامل تو اس اعتبار سے مجموعہ میں نقص کمال کے بین میں حالت کا مظاہرہ ہوگا۔ جبکہ انسان کے ہر طرح کے نقص و فسادات عالم انسانی کے فساد کا موجب ہیں تو علیٰ علم اخلاق نے جو فرد بعض انسانی کی تقسیم کی ہرادر کہا ہے کہ اس کے تین شعبے ہیں ایک وہ جو انسان کی بیوا انفرادی حیثیت سے متعلق ہے اور اس کا نام ہے تہذیب و اخلاق۔ دوسرے وہ تعلقات جو ایک گھ کے رہنے والوں کے ساتھ قائم ہو سکتے ہیں اس کا نام ہے تہذیب و اخلاق۔ درجہ وہ تعلقات جو دنیا والوں کے ساتھ ہیں اس کا نام ہے سیاست۔ یہ تمام شعبے اور ان کے اعتبار سے ہونے والے فسادات سب فساد فی الارض میں داخل ہوں گے۔ اب "فساد فی الارض" ایک وسیع مفہوم ہوگا جس کے اندر ہر انسان کی بد اخلاقی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی داخل ہوگی اور اس طرح تمام علم اخلاق اور علم شریعت اسی عنوان کے تحت میں مندرج ہوگا۔

ہر انسان کی کوئی معمولی سی کمزوری کہ جو شریعت و اصول اخلاق کے خلاف ہے وہ "فساد فی الارض" کے حدود میں داخل ہو جائیگی۔

موضوع کو آسان سے آسان قرار دینا تو وسیع بنانے کے لئے بحیثیت مقرر کے میرے لئے مناسب یہی تھا کہ میں "فساد فی الارض" کے اسی وسیع مفہوم پر

پایہ تھا جس کی بہ نسبت زیادہ بڑگیا ایک۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مجموعہ اپنے اثر جماعتی کے اعتبار سے ناقص ہو کہیں کہ اس میں وہ مزاج موجود نہیں ہو جو اس مرکب میں ہونا چاہیے تھا اور سرکہ کیفیت کے لحاظ سے معنی صورت ترکیب میں خرابی ہو جائے مثلاً جس جز کو مقدم ہونا چاہیے تھا وہ موخر ہو جائے اور جو موخر ہونا چاہیے تھا وہ مقدم۔ اس سے بھی اس مجموعہ میں فساد پیدا ہو جائیگا اور وہ اپنے مفاد ترکیبی کو پورا کر سکے گا۔

جس طرح دنیا کے ہر نظام ترکیبی میں یہ صورت ہے اسی طرح نظام فساد انسانی عالم بشریت کا مجموعہ بھی مختلف عناصر سے مرکب ہے۔ مختلف اجزاء سے مل کر کمال کو پہنچتا ہے۔ مختلف اس کے مفردات ہیں جن کے اجتماع سے طیارہ تیار ہو اگر اس پر اس لحاظ سے دیکھئے جو میں نے دنیا کے ہر مرکب میں آپ کے سامنے پیش کی ہے اور ضلالت فساد کی آن صورتوں پر نظر ڈالئے جو میں نے بیان کی ہیں تو نتیجہ یہ نکلیگا کہ انسانی افراد میں سے ہر شخص کی انفرادی خرابی اثر انداز ہوگی اس عالم کائنات کے مجموعہ پر یعنی ہر انسان کی جو ذاتی خرابیاں ہیں جو اخلاقی نقائص ہیں وہ تمام ایک طرح کے فساد کا باعث ہوں گے اس مجموعہ میں جس کی انہی انہی اس تشکیل ہو رہی ہے۔

جب افراد بجائے خود ناقص ہیں اور ان خصائص کے حامل ہیں جو انہیں بحیثیت کمال انسانی ہونا چاہئیں یہ مجموعہ ان تمام افراد کے اجتماع سے حاصل ہوگا

میں، وہ فساد کرنے کے لئے دوسری دنیا تھوڑی تلاش کر گیا۔

درحقیقت "فی الارض" کی قید یہاں پر متعلق کے اعتبار سے ہر معنی زمین خدا کو فساد پذیر نہ بناؤ۔ خود اُس کو خراب نہ کرو۔ اس لئے اس کے ساتھ ایک تکرار بھی قرآن میں موجود ہے کہ لا تفسدوا فی الارض بعدا صلاھا اس "بعدا صلاھا" کے جز کے بعد کوئی شبہ نہیں رہتا کہ یہاں صلاح اور فساد دونوں کا متعلق خود روئے زمین ہر معنی روئے زمین کی صلاح کے بجائے اُس کی تخریب نہ کرو۔

اب پوچھنا ہے کہ "زمین کو خراب کرنے کا کیا مطلب؟ کیا اس سے مراد خود بسط ارض، یہ سطح خاک مراد ہے۔

"ارمین کو خراب نہ کرو" یعنی مثلاً کسی کاشت کار کی زمین کو جا کر اُس میں نہ پیدا کرنے کی صلاحیت سلب نہ کرو۔ اُس کے زندہ خطہ زمین کو شور زار بنا کر مردہ نہ کر دو۔ یہ صورت وہ ہے جو ظنی حیثیت سے بے شک زمین کو خراب کرنے کا صحیح مصداق ہے۔ لیکن کیا لا تفسدوا فی الارض کے یہی معنی ہیں؟ ہر گز نہیں پھر کیا؟

درحقیقت "ارض" سے مراد یہاں یہ سطح زمین باعتبار اپنی جمادی خلقت کے نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہے "کرہ ارض" باعتبار اپنے اُن رہنے والوں کے جو اُس میں رہتے رہتے اور بستے ہیں۔

یہ بات آپ کے روزمرہ کے محاوروں میں بھی فوکن بان ہے۔ آپ کسی موقع پر کہتے ہیں کہ "تمام شہر اس کا گواہ ہے" کیا اُس سے مقصود ہے کہ وہ دیوار اور سطح زمین بآپے شک

زور دیتا تاکہ میرے بیان میں کافی گنجائش پیدا ہو جائے۔ مگر حقیقتہً جہان تک میں غور کرتا ہوں "فساد فی الارض" کا وہ مفہوم جس کے لحاظ سے قرآن میں اسکا استعمال کیا گیا ہے یہ نہیں ہو یعنی انسانوں کی ذاتی بد اخلاقیات، بری طرح کی پابندیاں شریعت کے گناہ کشی کرنا اور واجبات کو ترک کرنا یہ سب لا تقصد فی الارض کے تحت میں داخل نہیں ہر۔

جب ایسا نہیں ہر تو ضرورت کے لئے "فساد فی الارض" کے مفہوم کی تشریح کی جائے اور اسی لئے میں نے سابق میں یہ نتیجہ قائم کی تھی کہ کیا "فساد" کی لفظ کا انفرادی حسیہ یکے جو مفہوم ہر وہ "فساد فی الارض" کے ترکیبی الفاظ میں اُسی صورت پر برقرار رہتا ہے یا اس میں کچھ تبدیلی ہو جاتی ہے۔



لا تقصدوا فی الارض، "روئے زمین میں فساد برپا نہ کرو" اس کے معنی؟
 "روئے زمین میں" یعنی زمین کو طرف فساد نہ بناؤ؟

اس کا تو کوئی اصل نہوا اس لئے کہ جو بھی فساد ہوگا وہ بہر حال اس زمین کے حدود میں ہوگا۔ سمندر کی سطح پر، یا ہوائی جہاز پر فضا کے ہوا میں کوئی فساد ہو تو وہ بھی حدود الارض ہی میں ہے اگر وہی الارض، میں ظرفیت باعتبار محل ہر اور جگہ کے اعتبار سے کہا جا رہا ہو کہ زمین میں فساد نہ کرو تو اس قید کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ اس لئے کہ بہر حال جب انسان اس دنیا میں ہر تو وہ جو فساد کرے گا اسی دنیا

یونہی "فسادِ الارض" زمین کے رہنے والے مخلوقات میں اگرچہ چرند و طیور
 پرند بھی، نباتات بھی جمادات بھی مگر جس کا فساد معیاری حیثیت رکھتا ہو اور اس کا
 وسیع دنیاۓ زمین میں غالب توہم ہو وہ اہل رض کے اسی طبقہ کا فساد جو جس شور
 اور فتنہ کا اختیار ہے جو ہر دلوں کا حامل ہو یعنی انسان۔

اب معلوم ہو گا کہ مفردات الفاظ کے معانی کی نسبت سے اس ترکیبی فقرہ کے مفہوم
 میں کیا انقلاب ہو گیا۔ الفاظ کی دنیا عجیب و غریب ہے۔ اُس میں معانی کے اعتبار سے
 نئے نئے انقلابات ہوتے رہتے ہیں۔ جو شخص الفاظ کے بالکل ظاہری اصلی و ابتدائی
 معانی پر الفاظ کو محمول کرنے کی کوشش کرتا ہو اُس کو افہام و تفہیم میں بڑے مشکلات
 سے دوچار ہونا لازمی ہو۔

اس کا نتیجہ وہی ہو گا کہ حکیم صاحب کے اس ارشاد کی بنا پر کہ "جاؤ اس نسخہ کو
 جوش دیکھ بی لینا" وہ بچارہ دیہاتی اُس لکھے ہوئے پرچہ کا غذبہ ہی کو لیجا کر جوش دیکھ
 پی لے۔ الفاظ کے اعتبار سے اُس کا طرز عمل بالکل ٹھیک ہے، اس لئے کہ نسخہ نام ہی
 پرچہ کا ہے۔ دواؤں کا نہیں جو عطار کے ہاں سے آتی ہیں۔ انسان اس طرح اپنی
 دنیاۓ روزمرہ میں زندگی نہیں گزار سکتا۔

لا تقصدوا فی الارض کے مفہوم میں الفاظ کے انفرادی و سطحی معانی کو
 دیکھتے ہوئے انقلاب ہوا۔ سب سے پہلے "زمین" سے مراد ہوئے "اہل زمین کی کسی
 عام مفہوم میں قیود کے ذریعے سے تحدید پیدا کرنا نہیں ہو بلکہ مفہوم لفظ کو ایک بالکل

اور ان کے افرادی و ترکیبی معانی کا تعلق ہو کلام الہی کے مفہوم میں غور و خوض کر لیا
اسی طرح حق حاصل ہے جس طرح دوسرے اہل زبان کے محاورات میں اور لفظی و عقلی معانی
کی بنا پر اسی طرح معانی کا تعین کیا جاسکتا ہے جس طرح دوسرے الفاظ میں۔
اب لا تصدق فی اللادض کے معنی ان تمام انقلابات کے بعد کیا ہوئے؟
یہ کہ مجموعہ عالم بشری کے فساد کا باعث نہو۔

اب اگر مجموعہ عالم بشری کا فساد اُس طرح ہو جو ہم نے سابق میں بیان کیا کہ
ایک فرد میں بھی اگر خرابی پیدا ہوئی تو وہ خرابی مجموعہ کی طرف عائد ہو گئی اور اس لئے
ہر فرد جو کسی بُرے فعل کا ارتکاب کرے وہ فساد فی اللادض کی مرتکب ہے اگرچہ
اس بُرائی کا کوئی تعلق اُس کی ذات کے سوا کسی دوسرے شخص سے نہو۔

اگر ایسا ہو تو اس فساد و صلاح میں اس "فی اللادض" کی قید کا کوئی منشا ہی
نہیں۔ مجموعہ عالم انسانیت کو محل فساد قرار دینے کا کوئی فائدہ ہی نہیں پڑے
نتیجہ یہ ہو کہ تم خود فاسد نہو۔ کسی طرح کا فساد پیدا نہ کرو۔

کیونکہ جب کسی صورت میں خود فاسد ہوئے یا فساد پیدا کیا تو بہر حال فساد
"مجموعہ عالم" کی طرف راجع ہوا۔ پھر "مجموعہ عالم" کی قید لگانے اور "فی اللادض"
کے اضافہ کرنے کا نتیجہ؟

اب کوں فساد ایسا ہے جو "فساد" تو ہو مگر "فساد فی اللادض" کا مصداق
نہو۔ کیونکہ بہر حال ہم اس مجموعہ کی فرد ہیں اور بہر حال جو خرابی ہم میں پیدا ہو وہ

مبائن جداگانہ مفہوم پر محمول کرنا ہر بھڑا ہل زمین" میں تحدید ہوئی کہ سب سے پہلے
بلکہ مخصوص ذی شعور مخلوق یعنی انسان۔ اس طرح تمام زمین کے پہنے والے اشیاء جادات
نباتات حیوانات وغیرہ ایک قسم سے مخصوص ہو گیا۔

یہ وسعت کے حدود میں تقسیم و تقسیم میں تخصیص کی صورت تھی لیکن اب ایک اور
انقلاب بھی باقی ہوا اور وہ یہ کہ زمین سے مراد یہاں پر کیا واقعی سطح خاک ہے یعنی
فساد جو منسوخ ہے وہ دہی ہے کہ جو اس سطح خاک کے پہنے والوں سے متعلق ہو لہذا اگر کوئی
شخص زمین سے ٹکڑے سمندر کی سطح میں جہاز کے تختہ پر بسر کرے تو وہاں فساد پیدا
کرنا اس حکم کی زد میں آنے سے قاصر ہوگا اگر کوئی فضا میں قیام کر سکے یا پیدا نہ
کرنا ہو۔ وہاں فساد پیدا کرنا ممنوع نہیں ہے ایسا ہرگز نہیں ہے۔

"ارض" سے مراد یہاں پر یہ سطح خاک نہیں ہے جو فضا ہو اور سمندر دریا ہے
علیحدہ ہو بلکہ زمین سے مراد دنیا ہے۔ چونکہ اس دنیا کے پہنے والی مخلوق انسانی کی یادداشت
تقدیر یا اعتبار اپنی افتاد طبع کے وہی ہے ہر چیز میں پر سکونت رکھے۔ اس لئے زمین کی
لفظ کا اطلاق ہوا ہے مگر اس میں خصوصیت ملحوظ نہیں ہے جس سے سطح بھری اور
وسعت فضائی خارج ہو جائے۔

یہ تمام تصرفات معانی میں بالکل اصول محاورہ اور عام روزمرہ کے مطابق ہیں
اس لئے "تفسیر الراءى" کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا کیونکہ تفسیر بالراءى ان معانی
معانی سے متعلق ہے جو کلام کے تحت اللفظی معانی سے بالکل علیحدہ ہوں لیکن جہاں الفاظ

اس بدترین صفت کے حامل ہیں جس کی نسبت کوہم اپنی طرف ہرگز گوارا نہیں کر سکتے
اس طرح ایک عجیب گاہ ہے جو طبیعت انسانی کو بار بار پہنچے گا اور ایک شلیج
جو خاطرِ محاکبے، نازک آگینیوں کو برابر لگے گی۔

بہر حال میرا موضوع یہی ہوا اور مجھے اس کے متعلق بیان کرنا ہی اور چاہیے کہ ہمیں
کوئی شخصی بحث نہیں ہے بلکہ کلیات ہیں اور ایسے کلیے جو تمام دنیا کو شامل ہیں اور
کرہ ارض کے کسی قطعہ سے مخصوص نہیں ہیں کیونکہ تمام عالم کے اجزاء اپنے ضروریات کے
اعتبار سے، اپنے مختلف حالات کے اعتبار سے اور ان اسباب کے لحاظ سے جو ان کی ترقی
کے لئے ضروری ہیں یا ان کی تنزلی کا باعث ہیں ایک حد تک شراکت کرتے ہیں۔ یہ
اور بات ہے کہ کسی خاص قطعہ ارض میں کم اور کہیں زیادہ لیکن بہر حال بحیثیت مجموعی
اجزاء اے عالم اپنے میں فساد کرتے ہیں۔ اب اس کا کسی کو پرانا ماننا چاہیے۔

اس وقت تمام عالم ان مصیبتوں میں مبتلا ہے۔ کوئی خاص چاحت، کوئی
خاص طبقہ، کوئی خاص محل اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عالم کا ہر شخص اس کا
طالب ہے کہ کسی طرح یہ مصیبتیں دفع ہوں کسی طرح امن و سکون، راحت و اطمینان
کی زندگی نصیب ہو۔

اس وقت میں اگر کوئی شخص یہ احساس پیدا کرنے کی کوشش کرے کہ اس
کیا ہیں اور ان کے دفعیہ کی کیا صورت ہے؟ کیا تداہیر ہیں جن سے امن و اطمینان
اور وہ زندگی کا دور جو بے غمی کی حالت میں گذر رہا ہے وہ راحت و سکون کی صورت

کوئی انسان ایسا نہ ہوگا جو اقرار کرے کہ میں فساد فی الارض کا مرتکب ہوں
گویا الفاظ ایسے ہیں کہ ناگوار ہی انکی فطرت میں اٹل ہو اور طبع انسانی پر گہرا لگدڑا
اُن کا لازمی خاصہ ہے۔

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان اصل فطرت کے لحاظ سے صلح پسند واقع ہوتا ہے
یہ سب خارجی اور دوسرے حالات ہوتے ہیں جو فطرت صحیح پر پوک ڈالتے ہیں اور
انسان کے ذاتی جو ہر شرافت کو مذہم کر کے اُس کو فساد کے راستے پر گامزن کرتے ہیں۔
اسی لئے باوجود اسکے کہ وہ اس راستے کے سالک ہیں لیکن پھر بھی انہیں اُس کے
نام سے محبت نہیں پیدا ہوتی حالانکہ دنیا میں جو کسی مسلک کا راہرو ہو وہ اُس مسلک
کی حمایت کرتا ہوا رہتا ہے کہ وہ ٹھیک ہی ہو۔ اسی وجہ سے اختلاف آراء پیدا
ہوتا ہے جس چیز کو آپ بد سے بدتر سمجھتے ہیں دوسرا اُس کو بہتر سے بہتر سمجھتا ہے
آپ سرمایہ ننگ قرار دیتے ہیں وہ اُس کو سرمایہ اتخا ر سمجھتا ہے۔

لیکن فساد فی الارض، یہ چیز ہی ایسی کہ لاکھ انسان اس راستے پر
گامزن ہو لیکن وہ خود اُس سے نفرت ہی کرتا ہے۔

پھر ایسی چیز کے متعلق حاضرین کے سامنے روزانہ تفصیل ہوتی ہے، اس
ضرورت طبیعت کو گریز ہونا چاہیے خصوصاً جبکہ اسے عنوان کلام قرار دینا بتلا رہا ہے کہ
دنیا کو اس سبق کے یاد دلانے کی ضرورت ہے۔

اس کا نتیجہ ہونا چاہیے کہ طبیعت انسانی پر بار پڑے اور یہ احساس ہو کہ کیا ہم

یونہی "فسادِ الارض" زمین کے رہنے والے مخلوقات میں اگرچہ چرند وچڑھیں
بمذہب بھی، نباتات بھی جمادات بھی مگر جس کا فساد معیاری حیثیت رکھتا ہے اور اس مقام
و وسیع دنیا کے زمین میں جالب توجہ ہر وہ اہل رض کے اسی طبقہ کا فساد جو جس شور
اوتقلد و احتیاج کے جوہروں کا حامل ہے یعنی انسان۔

اب معلوم ہو گا کہ مفردات الفاظ کے معانی کی نسبت سے اس ترکیبی فقرہ کے مفہوم
میں کیا انقلاب ہو گیا۔ الفاظ کی دنیا عجیب و غریب ہے۔ اُس میں معانی کے اعتبار سے
نئے نئے انقلابات ہوتے رہتے ہیں۔ جو شخص الفاظ کے بالکل ظاہری اصلی و ابتدائی
معانی پر الفاظ کو محمول کرنے کی کوشش کرتا ہو اُس کو افہام و تفہیم میں بڑے مشکلات
سے دوچار ہونا لازمی ہے۔

اس کا نتیجہ وہی ہو گا کہ حکیم صاحب کے اس ارشاد کی بنا پر کہ "جاؤ اس نسخہ کو
جوش دیکھ بی لیا" وہ بچارہ دیہاتی اُس لکھے ہوئے پرچہ کا غہہ ہی کو لیجا کر جوش دیکھ
پیلے۔ الفاظ کے اعتبار سے اُس کا طرز عمل بالکل ٹھیک ہے، اس لئے کہ نسخہ نام ہی
پرچہ کا ہے۔ دواؤں کا نہیں جو عطار کے یہاں سے آتی ہیں۔ انسان اس طرح اپنی
دنیا کے روزمرہ میں زندگی نہیں گذار سکتا۔

لا تقصدوا فی الارض کے مفہوم میں الفاظ کے انفرادی و سطحی معانی کو
دیکھتے ہوئے انقلاب ہوا ہے۔ پہلے "زمین" سے مراد ہوئے "اہل زمین کی کسی
عام مفہوم میں قیود کے ذریعے سے تحدید پیدا کرنا نہیں ہو سکتا مفہوم لفظ کو ایک بالکل

شہر تو اسی کا نام ہو مثلاً اگر کوئی واقعہ ایسا ہو کہ کھنڈ کے تمام ہنے والے کھنڈ چھوڑ کر دہلی
 چلے جائیں تو بھی کھنڈ اپنی جگہ ہی پر رہے گا۔ یہ نہیں کہا جائیگا کہ کھنڈ دہلی پہنچ گیا
 بلکہ کھنڈ خالی ہو گیا اور کھنڈ کے لوگ دہلی چلے گئے معلوم ہوا کہ کھنڈ نام نہ ہنے والا اس کا
 نہیں بلکہ اس رقبہ زمین اور اس کے عمارات وغیرہ کا ہے لیکن جب اپنے کہا کہ تمام شہر
 اس بات کا گواہ ہو، وہاں شہر سے مراد یہ درود لیا نہیں ہیں کیونکہ وہ گو ابی دینے سے
 قاصد ہیں۔ اسی طرح آپ فرماتے ہیں "تمام شہر اس سے واقف ہے" "تمام شہر سے
 اس کی تصدیق ہو سکتی ہو" وغیرہ یقیناً شہر سے مراد ان تمام مواقع پر ہے جہاں اس
 "تمام دنیا اس کو جانتی ہو" تمام ملک اس سے واقف ہے، تمام صوبہ اس سے آگاہ
 ہو، یہ تمام وہ الفاظ ہیں جو برابر ہماری زبان پر آیا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اسکی
 نظیر ہو "وَأَسْأَلُ الْقَوْمَ الَّذِیْ كَفَرُوا الْعَذَابَ الَّذِیْ أَقْبَلْنَا بِهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ"
 حضرت یوسفؑ کے قصہ میں ہر ملک کے بھائیوں نے حضرت یعقوبؑ کا کہا آپ اس قریہ سے
 پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے، بالکل ظاہر ہو کہ "قریہ" سے مراد یہاں پہاڑ قریہ ہیں۔
 انہی مثالوں کے مطابق زمین کے اصلاح و فساد سے مراد اہل زمین کا صلاح و فساد
 پھر اہل سے مقصد وہ زمین کے ادیر کی مخلوق مراد نہیں جو ذی شعور نہ ہو۔ جیسے کھنڈ
 اس میں نباتات تھے، حیوانات تھے مگر جو مخلوق ان میں نایاں حیثیت رکھتا تھا
 انسان اس لئے کہ یہ کہنے کا محل ہوا کہ تمام کھنڈ واقف ہو، حالانکہ واقفیت کا تعلق
 کھنڈ کے رہنے والے ذی شعور طبقہ یعنی انسانوں کے ساتھ مخصوص ہو۔

اور ان کے افرادی و ترکیبی معانی کا تعلق ہو کلام الہی کے مفہوم میں غور و خوض کر لیا
اسی طرح حق حاصل ہے جس طرح دوسرے اہل زبان کے محاورات میں اور لفظی و عقلی اعتبار
کی بنا پر اسی طرح معانی کا تعین کیا جاسکتا ہے جس طرح دوسرے الفاظ میں۔

اب لا تضد فی الارض کے معنی ان تمام اقلات بات کے بعد کیا ہوئے؟
یہ کہ مجموعہ عالم بشری کے فساد کا باعث نہو۔

اب اگر مجموعہ عالم بشری کا فساد اُس طرح ہو جو ہم نے سابق میں بیان کیا کہ
ایک فرد میں بھی اگر خرابی پیدا ہوئی تو وہ خرابی مجموعہ کی طرف عام ہو گئی اور اس لئے
ہر فرد کو کسی بڑے فعل کا ارتکاب کرے وہ فساد فی الارض کی مرتکب ہے اگرچہ
اس خرابی کا کوئی تعلق اُس کی ذات کے سوا کسی دوسرے شخص سے نہو۔

اگر ایسا ہو تو اس فساد و صلاح میں اس "فی الارض" کی قید کا کوئی منشا ہی
نہیں۔ مجموعہ عالم انسانیت کو محل فساد قرار دینے کا کوئی فائدہ ہی نہیں آتی
نتیجہ یہ ہو کہ تم خود فاسد نہو کسی طرح کا فساد پیدا نہ کرو۔

کیونکہ جب کسی صورت بھی خود فاسد ہوئے یا فساد پیدا کیا تو بہر حال فساد
"مجموعہ عالم" کی طرف راجع ہوا۔ پھر "مجموعہ عالم" کی قید لگانے اور "فی الارض"
کے اضافہ کرنے کا نتیجہ؟

اب کوں فساد ایسا ہے جو "فساد" تو ہو مگر "فساد فی الارض" کا مصداق
نہو۔ کیونکہ بہر حال ہم اس مجموعہ کی فرد ہیں اور بہر حال جو خرابی ہم میں پیدا ہو وہ

مبائن جداگانہ مفہوم پر محمول کرنا ہر جہز "ازل زمین" میں تحدید ہوئی کہ سب سے پہلے مخصوص ذی شعور مخلوق یعنی انسان۔ اس طرح تمام زمین کے رہنے والے اشیاء جادات نباتات حیوانات خارج ہوئے اور دائرہ ایک قسم سے مخصوص ہو گیا۔

یہ سو کے حدود میں تقید تعلیم میں تخصیص کی صورت تھی لیکن اب ایک اور انقلاب بھی باقی ہو اور وہ یہ کہ زمین سے مراد یہاں پر کیا واقعی سطح خاک ہے یعنی فساد جو منسوع ہے وہ دہی ہے کہ جو اس سطح خاک کے رہنے والوں سے متعلق ہو لہذا اگر کوئی شخص زمین سے ٹھکر سمندر کی سطح میں جہاز کے تختہ پر بسر کرے تو وہاں فساد پیدا کرنا اس حکم کی زد میں آنے سے قاصر ہوگا اگر کوئی فضا میں قیام کر سکے یا پیدا کرنا ہو۔ وہاں فساد پیدا کرنا ممنوع نہیں ہے ایسا ہرگز نہیں ہے۔

"ارض" سے مراد یہاں پر یہ سطح خاک نہیں ہے جو فضا و ہوا اور سمندر و دریا سے علیحدہ ہو بلکہ زمین سے مراد دنیا۔ چونکہ اس دنیا کے رہنے والی مخلوق انسانی کی زیادہ تعداد باعتبار اپنی اقتدا طبع کے وہی ہے جو زمین پر سکونت رکھے۔ اس لئے زمین کی لفظ کا اطلاق ہوا ہے مگر اس میں خصوصیت ملحوظ نہیں ہے جس سے سطح بحری اور وسعت فضائی خارج ہو جائے۔

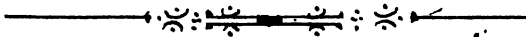
یہ تمام تصرفات معانی میں بالکل اصول محاورہ اور عام رذمرہ کے مطابق ہیں اس لئے "تفسیر الرائی" کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا کیونکہ تفسیر الرائی ان معانی معانی سے متعلق ہے جو کلام کے تحت اللفظی معانی سے بالکل علیحدہ ہوں لیکن جہاں الفاظ

اور بلا لحاظ خصوصیت عموم نوع بشری متعلق ہیں جس طرح ”رفاہ عام“ وہ کام ہیں جو عامۂ نوع بشر کو فائدہ پہونچانے کے باعث ہوں۔ ایک شخص کسی دوسرے انسان کی ذات کو کوئی فائدہ پہونچانے وہ ”رفاہ عام“ کا مصداق نہوگا۔ ایک شخص اپنے خاندان کی پرورش کرے اُسے ”رفاہ عام“ نہ کہیں گے۔

”رفاہ عام“ آپ کہیں گے اُن کاموں کو جو بلا لحاظ خصوصیات مجموعۂ عالم انسانی کو فائدہ پہونچانے والے ہوں اور فائدہ عامہ کے باعث ہوں۔ اس کا نام ہر ”رفاہ عام“ بس اسی سے آپ فساد فی الارض کا مفہوم سمجھ لیجئے۔

بلا لحاظ شخص۔ بلا لحاظ خصوصیت جو امور مفاد عامہ کے خلاف ہوں اُن کا ارتکاب کمر نادوسری لفظوں میں مفاد عامہ کے خلاف اقدام کرنا۔ مفاد عامہ کے صدمہ پہونچانا۔ اس کا نام ہر ”فساد فی الارض“۔

اگر ”رفاہ عام“ کے معنی سمجھ میں آسکتے ہیں تو ”فساد فی الارض“ کے اس مفہوم کا سمجھنا بھی کوئی دشوار نہیں ہے۔ اب لگئی اس کی تفصیل کہ کون چیزیں اس مفہوم میں داخل ہیں اور کون خارج اس کے لئے آئندہ بیان کے انتظار کی ضرورت ہے۔



مجموعہ کی خرابی کا باعث ہوگی۔ ایک شخص جھوٹ بولا روئے زمین میں فساد ہو یعنی اس انسان کو جو بھی نسبت مجموعہ عالم انسانیت کے ساتھ حاصل ہو اسی نسبت کے لحاظ سے اس مجموعہ کی صلاحیت فنا ہوئی اور اس میں فساد کا گزر ہوا۔

اس طرح کوئی فساد ایسا نہیں مل سکتا جو ”فساد فی الارض“ نہ ہو۔ لیکن فساد میں اس قید کے اضافہ کا ہونا بتلاتا ہے کہ فساد دو قسم کا ہر ایک وہ ”فساد“ تو ہے مگر اس مجموعہ عالم انسانی سے متعلق نہیں اور ایک وہ جو مجموعہ سے متعلق ہے۔

اس بنا پر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ”فساد فی الارض“ سے مراد وہ فساد نہیں ہے جو باعتبار اجزاء خواہ مخواہ اس مجموعہ کی طرف اوج ہو بلکہ اس فساد سے مراد وہ فساد ہے جو براہ راست اس مجموعہ ہی سے تعلق رکھتا ہو اور اس طرح وہ فساد جو براہ راست کسی جز کے ساتھ متعلق کسی شخص کے ساتھ مخصوص نہ ہو ”فساد فی الارض“ کا مصداق نہ ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ فساد کی دو قسمیں ہیں۔

ایک فساد انفرادی اور ایک فساد اجتماعی دو کے الفاظ میں ”فساد خاص“ اور ”فساد عام“ بہت ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنی انفرادی زندگی میں بد اخلاقیوں کا مرتکب ہوتا ہو لیکن پھر زوری نہیں کہ وہ فساد فی الارض کا مرتکب ہو ممکن ہے کہ کوئی اپنے گھر کے اندر لڑتا بھڑتا بھی ہو یا مختلف اشخاص کو لڑوا تا بھی ہو لیکن فساد فی الارض کا مرتکب نہ ہو۔ فساد فی الارض وہ خرابیاں ہیں جو بلا تخصیص

اس کے معنی تھے "شے پوشیدہ" یعنی پھیلانے کے قابل چیز کے روایات میں صنف
اناث پر اطلاق اسی تو صیغی معنی کے لحاظ سے ہوا ہے مثلاً الذنساء عتی و عتی
صنف نازک کو عورت کہنا اس لحاظ سے تھا کہ ان کے لئے پردہ لازم ہے لیکن
ہم جب عربی میں "عورت" کی لفظ دیکھیں تو اُسی اپنی زبان کے معنی کی طرف
ذہن منتقل ہو جائیگا اور وہ خصوصیت دماغ میں نہ آئیگی جو اصلی معنی کے لحاظ
سے اس میں مضمر تھی۔

دوسری مثال "احسان" عربی لفظ ہے اور آپ کی زبان میں مستعمل
ہو مگر آپ کی زبان میں آنے کے بعد اس میں ایک قسم کی منت اور تفوق کا
عنصر شریک ہو گیا ہے یعنی احسان کرنا، اس کے معنی ہو گئے ہیں دوسرے کے
حقوق سے زیادہ یا ملاحظہ اسکے ساتھ کوئی حسن سلوک کرنا۔ اسی بنا پر آپ اس کے
تعلق کو ظاہر کرتے ہیں "ادب" کی لفظ کے ساتھ یعنی پوچھتے ہیں کہ "فلاں بھ
احسان کیا" گویا ایک بار بزرگوں کی طرف سے دوسرے شخص کے کاغذوں پر
آتا ہے۔ اب جس وقت عربی میں یہ روایت گوش زد ہوتی ہے کہ من بکی علی
الحسین فقد احسن بالنبی دفاطمة تو بیان کرنے والا بھی چھوٹے یہ
ترجمہ کرتا ہے کہ "جو شخص امام حسین پر ردیا اُس نے احسان کیا رسالت کا اور
حضرت فاطمہ زہرا پر" اور سننے والے بھی یہی سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ عربی میں
"احسان" کے معنی ہی نہیں ہیں۔ وہاں احسان کے معنی ہیں "حسن عمل" کے معنی

ایک غلطی کا دفعیہ

”فساد کے لفظ گہاری زبان میں جب مطلق کیا جائے تو عام افراد کا ذہن منتقل ہوتا ہے نزاع، جنگ، جدال و شورش نہنگا مسکے معانی کی طرف اس کے علاوہ فساد کے معنی اُن کے ذہن میں نہیں آتے۔

یہ حقیقت عربی الفاظ کے اردو میں منتقل ہونے کے بعد جو تصرفات ہوئیں اُن کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جب کوئی لفظ کسی زبان سے دوسری زبان کی طرف منتقل ہوتا ہے تو بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اُس کے اصلی خصوصیات جو پہلی زبان میں تھے بالکل اُسی صورت پر محفوظ رہیں بلکہ نقصان طبع ہی ہے کہ کچھ نہ کچھ اُس کے معانی میں تغیر ضرور ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو پہلی زبان سے تھوڑا بہت ربط رکھتے ہیں لیکن پورا اقتدار نہیں رکھتے اور دوسری زبان کے محاورات اُن کے دماغ میں بسے ہوئے ہیں، وہ جب اس لفظ کو اُس پہلی زبان میں دیکھتے ہیں تو اپنی مناسبت طبعی کی بنا پر اُن کا ذہن دوسرے معنی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر اکثر اردو داں طبقہ کے فاضل نامک عربی کے ترجمہ میں ٹھوکر کھاتے ہیں وہ عربی کا ترجمہ کرتے ہیں اپنے اردو محاورات کے موافق اس لئے وہ صحیح نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ”عورت“ کا لفظ یہ اصل میں عربی ہوا اور آپ کی زبان میں نام ہو اس صنف خاص کا جو مردوں کے مقابل ہو لیکن عربی میں

اس آیت کے مفہوم سے بالکل الگ کر دیا ہے۔ ہل جزاء لاحسان سے ہماری
 ذہن میں جو مفہوم پیدا ہوتا ہو وہ صرف یہ کہ کسی کے ساتھ اگر ہم کوئی اچھائی
 بطور احسان کریں مثلاً کسی کو دور و پیہ دیدیں تو اسے بھی وقت پڑے پر ہماری
 ایسی ہی امداد کرنا چاہیے لیکن عربی کے اعتبار سے ان الفاظ کا مفہوم مخصوص اس
 طرح کی اعانت کو ساتھ نہیں ہو اس کے معنی یہ ہیں کہ ”اچھے کام کا بدلا اچھائی
 کے ساتھ ہونا چاہیے“ بے شک وہ احسان جسے اپنے اپنی زبان میں احسان قرار
 دیا ہے وہ ایک فرد ہو۔ اس احسان کی جسے آیت بتلا رہی ہو۔

تفسیری مثال | سلوک۔ اس کے معنی ہماری زبان میں ہو گئے ہیں کسی
 کی مدد کرنا۔ بڑے طرز عمل کے لئے ضرورت قید لگانے کی ہو معنی ”بدر سلوکی“
 لیکن جب اس قید کو نہ لگایا جائے۔ یوں کہا جائے کہ فلان شخص نے میرے ساتھ
 سلوک کیا، تو اس کے معنی اچھے طرز عمل درآمد و اعانت کے قرار پاتے ہیں حالانکہ
 عربی زبان میں کہ جہاں سے یہ لفظ آیا ہے ”سلوک“ کے معنی ہیں کسی راستے پر
 چلنا اور علم تصوف میں اصطلاح ہو گئی ہو مسلک طریقت و عرفان پر چلنے کی۔
 اس کے علاوہ کثیر التعداد مثالیں ہیں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عربی
 سے آئے ہوئے الفاظ اردو میں اکثر اپنے اصل معانی کے خلاف مستعمل ہیں اور
 اس بنا پر ترجمہ کرنے میں کٹر لوگوں سے غلطی ہوتی ہے اس لئے کہ اپنی زبان کے
 مانوس معنی ذہن کو اپنی ہی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ ان سے ذہن کے ہٹانے کیلئے

ابھی رفتار اختیار کرنا۔ نیک طرز عمل ظاہر کرنا اس لئے جو ترجمہ ہم نے روایت کیا وہ اردو محاورہ کے مطابق ہو لیکن اس کو اصل روایت کے معنی سے کوئی تعلق نہیں اور پھر بجائے خود درست بھی نہیں۔ اسلئے احسان وہ حسن سلوک ہے جو بخیر ہو۔ اسی بنا پر کسی کا کچھ قرضہ آگے ذمہ ہو اور آپ سے وقت پر ادا کر دیا اور وہ بطور شکر یہ کہے کہ آپ کا احسان ہو تو آپ فرمائینگے اس میں احسان کا ہر کا یہ تو آپ کا حق تھا جو ادا کیا گیا معلوم ہوا کہ احسان کے مفہوم میں بے حق ہونے کی خصوصیت مضمحل ہے۔ تو کیا اگر یہ مصیبت سید الشہداء پر حقیقتہً بلا استحقاق ہو اور ان کے حقوق سے زبان ہر کتنے افسوس کی باجی کہ ایک قرض خواہ کی زبان تو یہ سن کر کہ آپ کا احسان ہوا ہمارے دل پر چوٹ لگے اسلئے کہ اس میں بے حق ہونے کا پہلو پایا جاتا ہے اور منہ پر اسلام اور ان کے اہلبیت ایسے حقدار حضرت کے لئے ہم اس نسبت کو گوارہ کریں کہ ہمارا احسان ہوا ان کے اوپر۔

اسی طرح قرآن مجید کی یہ آیت کہ **هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ** یا یہ آیت کہ **ان الله لا يضيع اجرا للمحسنين** وغیرہ سن کر برابر ہمارے ذہن اور دماغی انہی طرف کھینچ لیجاتے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہو کہ ہم ترجمہ میں اسی لفظ احسان کو دہرائتے ہیں۔ یوں ترجمہ کرتے ہیں مثلاً کہ "احسان کا بدلہ نہیں ہو سوائے احسان کے" اور خدا انہیں ضائع کرتا احسان کرنے والوں کے ثواب کو، "حالانکہ حقیقتہً ترجمہ میں احسان کی لفظ کے آنے نے ترجمہ کے مفہوم

اور لوگوں کو جنگ نہ کرنے سے متوجہ کرنا پنا فساد فی الارض ہوگا اور جنگ صلاح فی الارض ہے

”فساد فی الارض“ کے انواع و اقسام

گزشتہ مفہوم کی بنا پر جمہور کے اندر کسی صورت سے خرابی پیدا کرنا اور فساد عامہ کے خلاف کوئی اقدام کرنا فساد فی الارض ہے۔ اس کی تقسیم مختلف حیثیتوں پر کی جاسکتی ہے۔ پہلی تقسیم ۱ با اعتبار ان خرابیوں کے جو افراد جمہور میں پیدا کی جائیں اور اس کی حسب ذیل قسمیں ہیں۔

(۱) دماغی و ذہنی فساد (۲) معاشرتی و اجتماعی فساد۔

(۳) اخلاقی و عملی فساد (۴) سیاسی و تمدنی فساد۔

دوسری تقسیم ۱ با اعتبار ان صورتوں کے جو فساد کے لئے اختیار کی جائیں۔ اس لحاظ سے دو صورتیں ہیں ایک جو بغیر جنگ پیکار کے رونما ہو۔ دوسرے وہ جو مادی ہتھیاروں سے اور جنگ پیکار سے پیدا ہو۔

تیسری تقسیم ۱ با اعتبار ان اشخاص کے جو اس فساد کے ذمہ دار ہوں۔ ان میں نمایاں جماعتیں جو فساد کی ذمہ دار ہو سکتی ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) علمائے ملت یعنی رہنمایان روحانی لیکن یہ ظاہر ہے کہ علماء حقیقی کبھی فساد کے باعث نہیں ہوتے اسلئے مراد علمائے یہاں وہ طبقہ ہے جو عام طور پر ”علماء“ کے نام سے

ضرورت ہے کہ عربی زبان کے محاورات کے ساتھ ذہن کو آنا انسان و محبت پیدا ہو جائے کہ اپنی زبان سے پیدا شدہ خصوصیت اس پر غلبہ حاصل نہ کرے۔ اس صورت میں عربی زبان کے الفاظ کو انسان اردو محاورات کی روشنی میں نہیں بلکہ اصل عربی محاورات کے مطابق سمجھنے کے قابل ہو گا اور صحیح ترجمہ کر سکا۔

”فساد فی الارض“ کے مفہوم میں بھی یہی صورت پائی جاتی ہے۔ ہمارے اردو زبان میں ”فساد“ کے معنی ہو گئے ہیں لڑائی جھگڑا۔ ہنگامہ شورش جنگ جدال وغیرہ اور اس لئے جب ہم ”فساد“ کی لفظ عربی میں بھی دیکھتے ہیں تو یہی معنی سمجھتے ہیں اور اس کا ثبوت یہ کہ ”لا تفسدوا فی الارض“ کا ترجمہ کرتے ہیں ”زمین خدا میں فساد برپا نہ کرو“ یہاں ایک تو ہم نے فساد کی لفظ کا اعادہ کر دیا جو اردو میں جنگ جدال ہی کے معنی کا حامل ہے رد و سکڑاس کیساتھ ضمیمہ لگا یا ”برپا نہ کرو“ کے لفظ کا اور ظاہر ہو کہ ”برپا نہ کرنا“ معرکہ، ہنگامہ، شورش، جنگ اور فتنہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے لیکن عربی زبان کے محاورہ کے لحاظ سے فساد اس مفہوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ”فساد“ کے معنی ہیں خرابی اور ”فی الارض“ کے تعلق کے بعد اس کا مفہوم ہو گیا وہی کہ مفاد عامہ کے خلاف اقدام کرنا۔

فتنہ و فساد وغیرہ جسے اردو میں ”فساد“ کی لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ بھی مفاد عامہ کے خلاف ہونے کی بنا پر فساد کی ایک قسم قرار پا سکتا ہے لیکن فساد کا مکمل مفہوم نہیں کیونکہ بعض اوقات جبکہ جنگ مفاد عامہ کے موافق ہو تو وہاں ترک تباہی و

جو تقسیم کے اعتبار و داعی و اغراض کے فساد کرنے والے کا ایک فساد پر کبھی
 فائدہ کا حصول ہوتا ہے اپنے نفس، اپنے خاندان، اپنے کسی مخصوص شخص یا جماعت کی سبقت
 اور کبھی صرف جذبہ انتقام جس میں کسی دوسرے کو تکلیف پہنچانا مقصود ہوتا ہے اور اس
 کوئی نفع بھی اپنا یا کسی کا حاصل نہیں ہوتا اور تیسری قسم فساد کی عجیب و غریب ہر قسم
 کا مقصد کچھ بھی ہو سوائے مفید پسندی اور ہنگامہ پردی کے۔ یہ انسان دنیا کے اضطراب
 سے لطف حاصل کرتا ہے اور فساد سے اسے سترت حاصل ہوتی ہے جس میں نہ خود اس کو اپنا
 کوئی فائدہ مد نظر ہو اور نہ کسی خاص شخص یا جماعت کو کوئی نقصان پہنچانا مقصود۔
 یہاں فساد کا مقصد بس فساد ہی ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔

یہ فہرست ہر فساد کے اقسام کی جن کی تشریح حتی الامکان آئندہ کی جائیگی۔

فساد شخصی و فساد نوعی کا باہمی تعلق

میں نے سابق میں مجملہ بیان کیا ہے کہ شخصی بد اخلاقیات اور ذاتی ضرر رسانیاں
 فساد کے حدود میں داخل نہیں ہیں لیکن یہ اسی وقت تک ہے جب تک کہ بد اخلاقی میری حیثیت
 رکھے لیکن یہ بد اخلاقی اگر متعدی شکل اختیار کر لے تو وہ فساد فی الارض میں داخل ہو جائیگی
 مثلاً فیضانِ انسانی کے دو شعبے ہیں حقوقِ اللہ اور حقوقِ الناس، گزشتہ
 بیان کے لحاظ سے حقوقِ اللہ کو اگر کم بالکل نفراشی شخصی اور مابین خود و خدا حیثیت رکھتا

یاد کیا جاتا ہو لیکن اس میں بہت سے جھوٹے اور کھوٹے موجود ہوں اور فساد ہمیشہ انہی جھوٹے افراد کے ہاتھ سے رونما ہوتا رہی۔

(۲) رعمائے قوم یعنی رہنمایان سیاسی، یہ بھی اگر خلص اور سچے ہی خواہ ہوں تو ان سے فساد و فتنہ نہ ہو لیکن ان میں بھی چونکہ اکثر ریاکار، ظاہر دار اور خود غرض ہوتے ہیں اسلئے وہ فساد کا باعث ہوتے ہیں۔

(۳) سلاطین و ملوک، ان کا فساد بزدل طاقت ہوتا ہے اس لئے بہت بُور ہوتا ہے۔

(۴) خطباء و مقررین، یہ لوگ قوم کے مزاج عقلی میں بہت حد تک دخل دیتے ہیں اسلئے صلاح و فساد کی ذمہ داری ان پر بہت زیادہ عائد ہوتی ہے۔

(۵) شعراء، ان لوگوں کا اثر اس زمانہ میں زیادہ ہوتا ہے جنابنوعی صرف تفریح طبع کا ذریعہ بنائی گئی ہو لیکن مجاہدہ زمانہ میں اس کا اثر بہت کم رہ گیا ہے اس لئے کہ صرف ذریعہ تفریح قرار دے دی گئی ہے۔

(۶) اخبارات، یہ اس زمانہ میں قوم کے خیالات میں بہت زیادہ انقلابات کا سبب ہو سکتے ہیں۔

ان اقسام میں پہلی اقسام سب سے زیادہ فساد بہت بُور ہے ہمہ گیر اور پراپا ہوتا ہے۔ دوسرے سے پہلے زیادہ ترویجی و ذہنی اور اخلاقی و تعلیمی ہوتا ہے اور دوسرا سیاسی تمدنی اور معاشرتی، اجتماعی لیکن بہر حال ان میں سے ہر ایک نے زندگی کے تمام شعبوں پر کچھ نہ کچھ اثر کیا ہے۔ لیکن یہ سب فسادات ان کے مقابلہ میں جزئی حیثیت رکھتے ہیں اور اس قدر بُور نہیں ہوتے۔

اس سے معلوم ہوگا کہ عقیدہ اگرچہ انفرادی بلکہ اپنی چیز ہو جو صرت انسان کے ضمیر و دل سے متعلق ہے لہذا اگر کوئی غلط سے غلط عقیدہ اپنے دماغ میں محدود رکھے تو وہ صرف اپنے اس خیال کی بنا پر کسی "فساد" کا مرتکب نہیں قرار دیا جاسکتا مگر یہ اسی وقت جب کہ اس کے دماغ تک محدود ہو اور اگر اس نے متعدد شکل اختیار کی یعنی اس عقیدہ کی نشر و اشاعت کرنا چاہی۔ دوسروں کو بھی پناہم دینا چاہا اور ان کے مزاج عقلی کو خراب کرنا چاہا تو ایسا شخص مفسد کی تعریف میں داخل ہو جائے گا جس کے بعد مفاد عامہ کیلئے اس کی زبان بندی کرنا عین صلاح ہوگی۔

یہ حقوق اللہ کا تذکرہ تھا۔ اب دوسرا شعبہ یعنی حقوق الناس، میں بیان کیا تھا کہ جہاں تک انفرادی حیثیت کہیں "فساد فی الارض" کی تعریف میں داخل نہوں اور اس لئے ممکن ہو کہ بڑے بڑے ظلم جو دوسرے انسان پر ہو یاں تک کہ قتل نفس، اگر اس کا عام افراد کیساتھ کوئی تعلق نہیں ہو تو وہ انفرادی حدود سے تجاوز نہیں سمجھا جاسکتا لیکن جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ چیز بہ اعتبار خصوصیات مختلف ہو۔

کوئی ایک فرد ایسی ہوتی ہے کہ اس سے مفاد عامہ کا تعلق ہو، اس فرد کو کسی طرح کی ایذا پہنچانا تکلیف دینا اگرچہ مجائے خود شخصی جرم ہے لیکن چونکہ اس سے مفاد عامہ کو بھی نقصان پہنچتا ہے اسلئے وہ فساد فی الارض میں داخل ہوگا۔

اسی طرح چند آدمیوں میں مثلاً جو ایک محدود جگہ پر رہتے ہیں جھگڑا و نزاع

ہیں۔ ایک شخص بذات خود نماز نہیں پڑھتا۔ یا روزہ نہیں رکھتا یا کسی ایسے فعل حرام کا مرتکب ہوتا ہے جس کا کوئی تعلق خلق خدا کے ساتھ نہیں ہو تو ایسا شخص گنہگار ہو، مگر اس کو فساد فی الارض کا مرتکب نہیں کہا جائیگا۔

لیکن اگر یہی منقذی شکل اختیار کر لے، ایک شخص خود نماز نہیں پڑھتا اور اس کے ساتھ ترغیب یا تہذیب نہ پڑھنے کی۔ خود روزہ نہیں رکھتا۔ اور دوسروں کو روزہ رکھنے سے روکتا ہو، روزہ پر مضحکہ کرتا ہو، سبکی خرابیاں بیان کرتا ہو اور یہ کہتا ہو کہ روزہ عربوں کے لئے تھا اس زمانہ میں جبکہ وہ جسمانی طور پر طاقت اور قوت رکھتے تھے لیکن ہم لوگ کمزور بنائے گئے ہیں ہم لوگوں کو روزہ کے حکم کے کوئی معنی نہیں۔ اس طرح لوگوں کو اس غلط راستے کا سالک بناتا ہے جس پر وہ خود کام زن ہو جاتا ہے۔ جب تک وہ خود اس راستے کا سالک تھا اس کو روئے زمین کی اجتماعی حیثیت سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن اب اس نے اپنے اس غلط مسلک کی نشر و اشاعت کی اور اپنے شخصی عمل کو نوعی بنانا چاہا اور وہ فساد فی الارض میں داخل ہوا۔

یہ فساد اکثر پہلی تقسیم کے لحاظ سے معاشرتی و اخلاقی، اور کبھی اجتماعی و تمدنی ہوتا ہے اور کم از کم دہن و دماغی، یعنی اگر اس غلط راستے جسے اس کا وہ دوسروں کو بھی سالک بناتا ہے، اجتماعی کی معاشرت پر کوئی اثر نہیں پڑتا تمدن پر کوئی اثر نہیں پڑتا تب بھی کم از کم ایک غلط خیال لوگوں کے دماغ میں ماسخ ضرور ہوتا ہے اور

اس طرح ایک فساد ہے جو اس کے ہاتھوں خلق خدا میں منتشر ہوتا ہے

مصلح اور مفسد کا تفرقہ

”مصلح“ اور ”فساد“ کے حدود کا تعین بہت آسان تھا اگر دونوں کا دائرہ ایک دوسرے سے جدا گانہ ہوتا۔

مگر دشواری یہ ہو کہ جو چیزیں ایک وقت میں مصلح فی الارض ہوتی ہیں وہی دوسرے وقت فساد فی الارض بشکلا قتل نفس جو فساد فی الارض کا مصداق ہوتا ہو یہی کبھی مصلح خلق کا ذریعہ جنگ جو فساد ہو دہی کبھی مصلح اسطرح انبیا و ظلم و تعدی کی حیثیت سے فساد اور تادیب و تعزیر کی حیثیت سے مصلح۔

اب ذرا دشواری ہو کہ مصلح اور فساد کے حدود کا تعین بالکل الگ الگ کر دیا جائے اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر مصلح مفسد ہونے کے الزام سے دوچار اور ہر مفسد مصلح ہونیکا دعویٰ ہوتا ہے۔ مصلح اپنے طریقہ کار میں دغظ و نصیحت، زجر و توبیخ، سرزنش و ملامت کرتا ہو تو مفسد بھی مصلح بنکر یہی طریقہ اختیار کرتا ہو۔ اس آکر کہنے کہ تم مفسد ہو تو وہ ماننے کے لئے طیار ہو گا۔ یہ کیسا کہ میں دنیا کو ان غلط طریقوں سے جن پر وہ چل رہی ہو ہٹانا چاہتا ہوں اور صحیح راستے پر لگانا چاہتا ہوں اسلئے میں مفسد نہیں ہوں بلکہ مصلح ہوں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر مفسد ہمیشہ مصلح سمجھا جاسکتا ہو اور ہر مفسد مصلح بن سکتا ہو۔

حقیقت میں یہ دونوں مر جا گانہ ہیں اور اپنے اپنے ضمیر کے اعتبار سے بھی

پیدا کر دینا ممکن ہر لافسدا فی الارض میں داخل نہو، بے ثبات فتنہ ہے جسے
 کہا گیا ہر الفتنۃ امت من القتل لیکن فساد فی الارض تو اس وقت سے جب
 اس سے عمومی حیثیت سے مفاد اجتماعی کا تعلق ہو لیکن بہت ممکن ہے کہ چند اشخاص
 ایسے ہوں جن کے آپس میں ملے جلے رہنے ہی پر نظام دنیا موقوف ہو ان چند اشخاص
 میں آپس میں بھڑٹا دینا اور جھگڑا کر دینا فساد فی الارض کی نمایاں مثال ہوگی۔
 فرض کیجئے ایک انسان دو ملک کے بادشاہوں میں تصادم کرے۔ ظاہر ہے
 کہ باعتبار شخصی حیثیت کے تو وہ انسان ہی ہیں لیکن دو انسان ایسے ہیں جن کا
 متصادم ہو جانا گویا زمین کے دو قطوں کا باہم دھکے مارنا جانا ہے پھر اس سے بڑھ کر
 "فساد فی الارض" اور کیا ہوگا۔

کسی کا مال لے لینا اور لوٹ لینا ممکن ہے کہ اگر شخصی حیثیت تک محدود رہے
 تو اس عنوان کے تحت میں داخل نہو لیکن ایک زن جو اپنا پیشہ ہی بنا لیتا ہے۔
 قانون کی گند گاہ میں سر راہ بیٹھتا ہے اس کو کسی کی خصوصیت نہ نظر نہیں ہے۔
 جو بھی ادھر سے گزرے گا اس کو لوٹ لیگا۔ یہ یقیناً "فساد فی الارض" کا مرتکب ہے
 اسی طرح ایک باطل راستے کی طرف دعوت دینے والا وہ مسلک حق کا راہزن
 ہے۔ راہ زن کا جرم ہلکا نہیں ہوگا۔ اگر اتفاق سے کوئی اس راستے پر نہ گزرا
 اور اس کی راہ زنی کا ارادہ پورا نہوا اسی طرح اُن اعلیٰ ہل کی مفسدہ حیثیت پر کوئی
 اثر نہ پڑے گا اگر اسکے کہنے میں کوئی نہ آیا اور اس کی بات بے اثر ثابت ہوئی۔

اورد و کفر فراق کی طرف اس کا عکس ہی یعنی وہ اس کو مفسد کہہ ہی ہو۔

اسکے بعد فراق ثالث جو ان دونوں سے علیحدہ ہو کر کس طرح امتیاز کرے کہ کون مصلح ہو اور کون مفسد؟

اب اگر انسان اس کشمکش فکر سے گھبرا کر غور کرنے ہی کی رحمت نہ برداشت کرے اور ایک مصلح کی آواز کو صرف اس بنا پر ناقابل اعتبار سمجھ کر ممکن ہو یہ مفسد ہو تو پھر مصلحین حقیقی کے لب خشک ہو جائیں، آوازیں بڑ جائیں، کوششیں بیکار ہو جائیں اور ان کی آواز پر کوئی لبیک ہی نہ کہے اور دنیا کی اصلاح کا مقصد فوت ہو جائے۔

یہی وجہ تھی کہ اسلام نے دنیا میں اگر یہ نہیں کہا کہ جو میں کہتا ہوں وہ مان لو بلکہ یہ کہا کہ جو کہتا ہوں اسے سمجھ لو۔ یاد رکھئے گا کہ یہ ایک بہت بڑا معیار ہے مصلح کی سچائی کا۔ اگر مصلح دنیا کو یہ سمجھاتا ہو کہ آنکھیں بند کر لو۔ کانوں پر پٹے ڈال لو اور میری شخصیت سے مرعوب ہو کر میری بات کو تسلیم کر لو تو سمجھ لینا چاہیے کہ مصلح میں کھوٹ ہے اور اگر مصلح اپنے لایحہ عمل کو یہ کہہ کر پیش کرتا ہو کہ جو کہتا ہوں اسے عقل سے سمجھ لو اور غور کر کے اگر ماننے کے قابل سمجھو تو مانو یعنی وہ دنیا کی عقلی طاقتوں کو بیاد کرتا ہو وہ شبہات کے پردوں کو جو پڑے ہوئے ہیں ہٹاتا ہو۔ تو معلوم ہو گا کہ اسے اپنی سچائی پر بھروسہ ہوا اور اسکے ساتھ وہ خیر خواہ خلق ہے۔ بن خواہ نہیں ہے۔ اب یہ دنیا کا فرض ہے کہ وہ اس کی تعلیم و ہدایت پر غور کرے اور آیات حقیقت کی تلاش کرے۔

اسکے بخلاف اگر کوئی جماعت ایسی کھڑی ہوئی جس نے اس داعی اصلاح کی

ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ میں مفسد ہوں یا مصلح لیکن دشواری تو دوسرے لوگوں کے لئے ہے کہ وہ کس کو مصلح سمجھیں اور کس کو مفسد۔

جبکہ دیکھا جاتا ہے کہ فساد کا الزام طرفین سے ایک دوسرے کی جانب عائد ہوتا ہے ایک مصلح دعوت دیتا ہر وہ دنیا کو غلط راستے کا سالک دیکھ کر اسے صحیح راستے پر لانے کی کوشش کرتا ہے، اسلئے اصلاح کا علم بلند کرتا ہے لیکن مفسدین اُس پر فساد کا الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم خاموش فضا میں تلاطم اور پرسکون ماحول میں اضطراب پیدا کر رہے ہو اسلئے مفسد ہو اور خود اُن کو اگر کہا جائے کہ تم مفسد ہو تو وہ کہیں گے کہ نہیں ہم درحقیقت مصلح ہیں۔

قرآن مجید میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ قَالُوا اِنَّا مُصْلِحُونَ اَلَا اَتَتْهُمْ اَھْمُ الْمَفْسِدِیْنَ وَلٰكِنْ لَا یَشْعُرُوْنَ ”جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد پیدا نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں (اسکے جواب میں کہا جاتا ہے کہ) معلوم ہونا چاہیے کہ مفسد ہی لوگ ہیں لیکن یہ بھولے بنتے ہیں اور گویا اپنی مفسدہ پردازی کی ان کو خبر نہیں ہے۔“

اب خدا پر ایمان ہے۔ اُس کی کتاب پر ایمان ہے اس لئے یقیناً وہ لوگ مفسد اور اُن کے عداوی اصلاح غلط لیکن اگر تشکلم سے قطع نظر کر لیا جائے تو صورتحال صاف ہوتی ہے کہ ایک جماعت اپنے تئیں مصلح بتا رہی ہے اور دوسرے فریق کو مفسد

نظام عالم کی بنیاد حرکت پر ہر اور حرکت پر اجزاء وقت و احاطہ میں مجتمع نہیں ہو سکتے۔ دنیا ایک قنارہ پر جاری ہر اور رفتار کی بنیاد ان قدموں پر ہر جن سے راستہ طے کیا جاتا ہر اور ہر بعد میں آئیوالا قدم اس وقت تک نہیں سکتا جب تک پچھلا قدم موجود ہو کر فنا نہ ہو جائے۔

اس سب کا نتیجہ یہ ہر کہ ہر عمارت کا اس دنیا میں قائم ہونا موقوف کسی دوسری عمارت کے خراب ہونے پر ہر چیز جو وجود میں آتی ہر وہ ترتیب سے کسی چیز کے معدوم ہونے پر یہ سلسلہ عدم و وجود کا جاری ہر جو ایک نظام کی صورت میں قائم ہر۔

اس طرح یہ کہنے کا محل ہر کہ اس عالم کی بنیاد فنا و زوال پر ہر اور اس کی تعمیر میں خرابی کی صورت میں ہر۔ لہذا اگر ہم اس دنیا کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں جب تک کسی عمارت کو خراب کرنے کی کوشش نہ کریں جس وقت تک کسی بنیاد کو فاسد نہ کریں اور جب تک کسی نقش کو محو نہ کریں اس وقت تک اس سننے و نقش کو جسے ہم اصلاح کے نام سے موسوم کرتے ہیں قائم نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد تعمیر اور تخریب کے حدود مشترک ہو جاتے ہیں اور اس کی بنا پر بھی مصلح اور مفسد کا فرقہ دشوار ہو جاتا ہر۔ اگر اصلاح و فساد کی صورتیں بالکل جدا گانہ ہوتیں یعنی اصلاح کسی شے کا عالم نیستی سے ہی میں لانا ہوتا اور فساد کسی شے کا ہستی سے نیستی کی طرف منتقل کرنا تو اسان تھا کہ تعمیر اور تخریب کے جدا جدا حدود قائم کر سکیں۔ جہاں کوئی نیا نقش قائم کیا گیا یہ تعمیر ہے اور جہاں کسی بنیاد کو منہدم کیا گیا یہ تخریب ہے۔

صدہای کو خاموش کرنا۔ ~~اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق~~ مصلح ہو گا اور لوگ

تجدد و انقلاب حکیمانہ نگاہ

اور

شریعتِ اسلام کی جامعیت کا اصلی فلسفہ -

صلحی کوششوں کے تعمیری ہونے کا معیار

عالم کی بنیاد کو نئے دُعا پر ہر دنیا کا کوئی نقش قائم نہیں ہوتا جب تک اس نقش میں نہ جاکوئی
نئی دیوار کھڑی نہیں ہوتی جب تک پرانی دیوار نہ مدم نہ ہو جائے عالم کا نئے سنہ کی مسطر
تازہ حجابوں کے خمیے لگتے نہیں جب تک پرانے ڈیرے کھڑے نہیں اس دنیا کی سستی
میں آنے والے قافلے اُسوقت تک نہیں سکتے جب تک گذشتہ قافلے منزلِ عدم کی جانب
رہ سپار ہو کر ان کے لئے جگہ خالی نہ کریں اگر دنیا کی سب سے پہلی مہرِ نیوالی مخلوق
اُسی حالت پر قائم رہتی جس طرح پیدا ہوئی تھی تو یہ گونا گون طلسماتی نقوش جو ہماری
آنکھوں کے سامنے آتے ہیں اور تالیخ کے ورق کیسا فہم لگاتے جاتے ہیں ہماری آنکھوں کے
سامنے نہ آتے ۔

تفسیر و تفسیر ہی سے پیدا ہوتی ہے۔

پھر معیار کیا ہے صلاح اور فساد۔ تفسیر اور تخریب کا؟ معیار یہ ہے کہ انسان قدیم اور جدید کا موازنہ کرے اس عمارت میں جواب تک قائم ہو اور اس عمارت میں جس کا نقشہ دماغ میں اسکے بجائے تجویز کیا گیا ہو ان دونوں میں باعتبار مفاد عامہ تقابل کرے اور یہ دیکھے کہ ان میں سے کون ضروریات کے زیادہ مطابق ہے۔

اگر موجود عمارت ایسی خرابیاں رکھتی ہے جن کی بنا پر یہ ضرورت ہے کہ نیا کافی ہو اور مجوزہ عمارت ان نقائص سے خالی ہو تو بے شک وہ کوشش جو اس عمارت کی تخریب کی صورت میں کی جائیگی وہ نتیجہ تفسیر ہوگی اور اگر ہم نے دیکھا کہ یہ عمارت جو وقت موجود ہے ہر حیثیت سے مکمل ہے۔ اس میں خرابی موجود نہیں ہے اور وہ تجویز شدہ عمارت جو ذہن میں ہے اپنے فوائد کے اعتبار سے کوئی ترجیح اس موجود عمارت پر نہیں رکھتی تو اس صورت میں موجود عمارت کو خراب کرنا ہرگز تفسیر نہیں کہا جاسکتا۔

اب اگر وہ عمارت جو نگاہ میں ہے اپنی مضرتوں کے اعتبار سے موجود عمارت سے برتر ہے تو انقلابی کوشش کرنا خالص تخریب ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ عمارت بننے کے بعد موجود عمارت کے مساوی ہوگی لیکن اس عمارت کے گرنے اور اس عمارت کے بنکر پیا رہونے تک تنازعہ ہوگا جس میں انسانی ضروریات ضائع و برباد ہونے اور ان کا کئی خاطر خواہ معاوضہ بھی حاصل نہ ہوگا تب بھی موجود عمارت کے برباد کرنے کی کوشش تفسیری مفاد کے خلاف ہوگی۔

لیکن جبکہ طریق عمل کے لحاظ سے، صورت کارگزاری و حیثیت سے مصلح اور مفسد کا
طرز عمل ملتا جلتا ہوا ہے یعنی جو مصلح ہر وہ بھی ایک صورت حال کو فائدہ مند اور دوسری
صورت حال کو اس کے بجائے قائم کرتا ہو اور جو مفسد ہر وہ بھی یہی کرتا ہو تو اب تمہیں
بہت دشوار ہوگئی کہ کون تعمیر کر رہا ہو اور کون تخریب ؟

ہم شخصوں کو دیکھ رہے ہیں کہ دونوں بھاڑوا ہاتھ میں لئے ہوئے بنی بنائی ہوئی
عمارت پر چلا رہے ہیں۔ ظاہری صورت کی بنا پر بہت آسان ہو کہ یہ کہہ نیا کہ دونوں
تخریب کر رہے ہیں یعنی ایک بنی ہوئی عمارت کو برباد کر رہے ہیں لیکن ہمیں کیا معلوم کہ
ان میں سے کون اس عمارت کو اس غرض کے لئے کھڑا کر رہا ہے اس کے بجائے ایک بہتر
عمارت قائم کرے اور کون اس غرض سے نہیں۔ یہ نتیجے سے متعلق ہو اور نتیجہ مستقبل
کے ساتھ وابستہ۔

اس سے آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ قدامت پرستی اور تجدید پروری کی جنگ جو آپ کے
درمیان جاری ہے کس قدر لاعلم اور بے معنی ہو اسلئے کہ تجدید صرف اس حیثیت سے کہ
وہ تجدید کرنے قابل تلاش ہو اور نہ قابل ملامت کیونکہ عالم کی بنیاد تغیر پذیر ہو اور
اسی لئے زمانہ کا وصف، ”نیزنگ“

قدیم قائم شدہ عمارت صرف قدیم ہونے کی بنا پر مورد تائید نہیں بن سکتی
اس لئے کہ ممکن ہو اس میں ضرورت اصلاح ہو اور اصلاح کی بنیاد تجدید ہی پر ہو
اور نہ مورد ملامت ہی بن سکتی ہو کیونکہ ممکن ہو اس کا بد بنا تخریب ہو اور تخریب ہی

اس کے علاوہ ضرورت سے اس بات کی کہ یہ انسان عقل و تدبیر کے اعتبار سے
اتنا کمال بھی رکھتا ہو جتنا اس عمارت کے تعمیر کرنے والے میں کمال کی ضرورت تھی۔

میں ایک عمارت دیکھتا ہوں۔ خود کبھی ایک اینٹ سی ملا کر دوسری اینٹ
رکھنا بھی نہیں سیکھا مگر اس عمارت کو دیکھ کر میں نے فر فر نکالیں بیان کرنا شروع کر دیے۔
یہ چیز یہاں ہوتی تو بہت اچھا تھا اور یہ چیز بجائے اسکے ہوتی تو بہت اچھا نہیں
ہیاں پر یہ کسر ہو اور یہاں پر یہ نقصان لیکن اگر مجھ سے کہا جائے کہ جانتے نقصان
کالڈیں تو میں کہوں گا کہ کوئی میں مہار تھوڑی ہوں۔

اگر میرا اعتراض صرف اعتراض تک محدود ہو تو غنیمت ہی لیکن اگر میں نے
جدوجہد بھی شروع کر دی اور اس عمارت کو رفتہ رفتہ گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ یہ میر
ہاتھ کی بات تھی اس لئے گرا نے کے لئے کسی کارِ بگڑی کی ضرورت نہیں ہی لیکن جب
مجھ سے کہا گیا کہ اس عمارت کو بنا بھی دیجئے تو میں نے کہا اس کا میں ذمہ تھوڑی
ہوں۔ اس کے بجائے دوسری عمارت قائم کرنا میرے بس میں تھوڑی ہی۔ اب
تلاش شروع ہوئی کہ معمار لائے جائیں۔ اتفاق سے مہار اس جگہ غیر موجود دوسر
ملا کہ مہار بلا کر لائے گئے۔

فرض کیجئے کہ انہوں نے برسوں کی طویل مدت میں پھر تعمیر کر بھی دی لیکن اس
دوران میں جو نقصانات ہوئے جو ضروریات عالم انسانی فوت ہوئے اور جو مفاسد
پا مال ہوئے ان کا ذمہ دار کون ہو۔

اگر اس میں کوئی اور نقصان نہ ہو تو یہی کیا کم ہے کہ موجود عمارت قائم شدہ موجود ہو اور وہ عمارت ابھی حاد و خیال میں اور صرت متوقع ہو بہت ممکن ہے کہ ہم اس وقت اس موجود عمارت کو گمراہیں اور پھر ہم کو موقع اس دوسری عمارت کے کھڑے کر نیکا نہ ملے تو نتیجہ ہم نہ ادھر کے رہیں نہ اُدھر کے ۔

اس طرح اقصائے عقل یہ ہے کہ موجود حالات کے خلاف جو بھی اقدام جس وقت کیا جائے وہ انتہائی غور و خوض کا نتیجہ ہو اور ہرگز کسی سطحی نظریہ یا سرسری نگاہ پر مفاد عامہ کی قیمت کا فیصلہ نہ کیا جائے ۔

اگر کہنے والا موجودہ عمارت کی خرابیاں بیان کرتا ہو لیکن کوئی مکمل خاکہ نہیں لکھتا جس عمارت کے خراب کر نیچے بعد برسر کار دلایا جائے ۔ وہ جن کی زبان اعتراضات کرتے وقت تمیزی کے ساتھ چلتی ہو لیکن جب ان سے پوچھ لگے کہ آپ اس کے خلاف کوئی مکمل نقشہ بتائیے تو اس وقت ان کی زبان لکنت کرتی ہے، ان کے لب خشک ہوتے ہیں اور ان کی آواز میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے اس لئے کہ ان کے دماغ میں خود کوئی مکمل نقشہ موجود نہیں ہے جو اس عمارت کے بجائے قائم کیا جائے جو ان تمام ضروریات کو پورا کرے جو اس وقت پورے ہوتے ہیں اور ان تمام نقائص سے پاک ہو جو اس وقت بیان کئے جاتے ہیں ۔

ایسے لوگوں کا طرز عمل یقیناً تخریبی ہے اور یہ لوگ نتیجہ کے اعتبار سے مفید ہیں اگرچہ وہ خود اس کو سمجھتے نہیں ۔

عین فساد فی الارض ہوگا۔

قرآن نے ہمارے سامنے اس حقیقت کو کہ اصلاح بھی تجدید ہوتی ہے اور تخریب بھی تجدید کا نتیجہ ہوتی ہے ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیدوا ما بانفسہم "خدا انہیں تغیر دیتا اُس شے میں جو کسی قوم کے اندر ہے جب تک کہ خود تغیر نہ دیں اُس شے میں جو ان کے نفوس کے اندر ہے"

مکن تھا کہ اس "شے" کی جگہ کوئی لفظ رکھ دیا جاتا لیکن اگر کوئی لفظ رکھ دیا جاتا تو مفہوم محدود ہو جاتا اور وہ زندگی کے خوشگوار یا ناخوشگوار کسی ایک پہلو سے مخصوص ہو جاتا! اس صورت میں اگر یہ مفہوم ہوتا کہ خدا کسی خیر و برکت کو نہیں دیتا جب تک حالات میں تبدیلی نہ کی جائے تو نتیجہ صرف یہ نکلتا کہ فساد نتیجہ ہے تجدید کا اور اگر یہ مفہوم ہوتا کہ خدا کسی بری حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک ذاتی حالات میں تبدیلی نہ ہو تو نتیجہ یہ ہوتا کہ اصلاح بغیر تجدید نہیں ہوتی لیکن قدرت نے معینہ الفاظ کو چھوڑتے ہوئے ابہام کو اختیار کیا معانی میں وسعت پیدا کرنے کے لئے یہ عجیب

لطف ہے کہ لفظ کی زیادتی معنی میں کمی کا باعث ہوتی ہے مگر یہاں لفظ کی کمی نے معنی میں وسعت پیدا کی۔ تمام الفاظ کو چھوڑ کر ایک لفظ "ہم" یا "اختیار کیا گیا" دو حرفی جس سے زبان مختصر لفظ غیر ممکن ہے کیونکہ حرف واحد بھی ہو تو مقام لفظ میں دو حرفی بن جائیگا مگر اس مختصر ترین لفظ نے معنی کے لئے وسعت پیدا کر دی۔ اب معیار اصلاح بھی اسی سے معلوم ہوا اور معیار فساد بھی: "خدا کسی چیز کو جو ایک قوم میں ہو نہیں بدلتا"

کیا ایسی جدوجہد اصلاحی کوشش اور تعمیر کہی جاسکتی ہے؟
یاد رکھنا چاہیے کہ تخریبک سان ہزار تعمیر بہت دشوار۔ فساد سہل ہے اور
اصلاح مشکل۔

اصلاح کی ضرورت محسوس ہو تو اس طرح اصلاح کیجئے کہ موجود عمارت قائم رہے
اور اس میں جو نقص ہیں وہ رفتہ رفتہ دور ہو جائیں نہ ایسی اصلاح کہ موجود عمارت
بھی چونہ زمین ہو جائے اور دوسری عمارت کا خواب منون تعمیر نہ ہو۔

بہر حال تعمیر اور تخریب کا معیار یہ ہو کہ موازنہ کیجئے پہلی حالت میں درجہ بدلتا
ہے۔ اگر سابقہ صورت میں کچھ نقص ہیں تو ضرور انہیں دور کرنے کی کوشش کیجئے
لیکن ان عام قوانین میں جو تمام نوع انسانی متعلق ہیں سمجھنا کہ موجود قانون
ضروریات زندگی کے لئے پوسے طور پر مطابق ہے یا نہیں موقوف ہر اسات پر کہ
انسان اس شے کے تمام ہیلوں پر نظر رکھتا ہو۔ ضروریات زندگی کا پورا مطالعہ کر چکا ہو
اور پھر ضروریات زندگی شخصی نہیں کسی خاندان کے مخصوص نہیں کسی حلقہ سے
مخصوص نہیں بلکہ تمام نوع انسانی کے ضروریات زندگی، اس لئے ایک مصالح کی
ضرورت ہے جو نوع انسانی کے ضروریات کا احاطہ کئے ہوئے ہو۔ تمام مختلف طبقوں
از جہاد اور حالات پر ایسا عبور رکھتا ہو کہ موازنہ قانون ایسا قائم کر سکے جو کسب
حیثیت سے مفید ثابت ہو۔ مگر بغیر اس صورت کے کسی عمارت کو صرف اعتراض
کی بنا پر خراب کرنے کی کوشش کی گئی تو مجھے اسے اصلاح ماننے میں عذر ہے بلکہ یہ

ہر لاکھوں کا ہوتا تھا لہذا اب بھی جو کنگنا بند تھا تھا لہذا اب بھی ضرور بند ہے۔ شادی
 میں بنیڈیاں بنتی تھیں لہذا ضرور بنیں، چوتھی میں مصنوعی جنگ ہوتی تھی لہذا اب بھی ضرور ہو
 نہیں ہو سکتی۔ اگر ہماری زندگی کے لئے یہ موسم قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں تو فنا ہونے
 کے قابل ہیں اس عمارت کو یقیناً تباہ ہونا چاہیے اور اسکے بجائے نئی عمارت کھڑے ہو چکی ہو
 ہے۔ ہم کنگن لاکھوں بانو کو ترک کیسے کریں یہ تو بزرگوں کے وقت سے چلی رہی ہیں یہاں یہ جیسے شکر کھینچتے
 انامجدنا، ابا، عا، علی، متہ و اناعلیٰ، تارہم مقتدین ہم نے اپنے باپ دادا کو کیا ہے یہ
 چلنے دیکھا ہو..... ہم بھی اسی راستے پر چلے جائیگے، اگر باپ دادا کے تقیبا
 کا رہی پر چلنا ذریعہ نجات ہوتا تو انبیاء و رسولین کے آنے کی ضرورت کیا تھی کیونکہ ہر حال دنیا میں بہت سی
 رعیت قائم ہوتی ہی ہیں اور جو موسم قائم ہو جائے اس کا برقرار رہنا ضروری ہے تو پھر نبی اگر کیا کر گیا
 نبی ایک کا تو تبدیل کر گیا یا نہیں۔ اگر اُس نے تبدیلی کی اور پرانے رسوم کو گھٹائے

لے لائن دینی لادھ اس کا تحمل ہو سکتا نہیں ہر کہ میں اس میں زندگی کے مختلف شعبوں میں جن اصلاحات
 کی ضرورت ہو ان کو تفصیل سے بیان کر دوں بہر حال میں ہر سال اس کے متعلق کچھ نہ کچھ کہتا رہتا ہوں۔
 ”جسٹینی“ اور اسلام کی حکیمانہ زندگی میں سے اکثر ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جو اود تجارت اور اسلام“ بھی
 اسی سلسلہ کا ایک جزو ہے اور شیش محل میں ایک مستقل موقع اصلاح و رسوم کے متعلق ہو چکا ہے اور موسم
 عزا کے متعلق بعض تجارتی تہذیبیں متحدہ لفظ و مختلف انداز کے مضامین سال پر مشتمل ”اسد“ اور ”سرفراز“
 اور نظارہ کے محرم نمبروں میں لکھ چکا ہوں جس کا خلاصہ مینیڈل کی سوئٹز میں جاری صبح کی بزرگ
 انھوں نے چھوڑا کہ سال گذشتہ مجلس میں یہ تمہی کیا۔ (ارشادات حضرت سید العلماء مجدد صبر فرماؤ
 ۹ صفر ۱۳۵۶ھ)

بتکہ اُس شے کو جو کئے نفوس میں ہر نہ بلیں، اب اگر کسی قوم کی حالت بہتر سے بدتر ہو گئی تو سمجھنا چاہیے کہ خرابی نتیجہ تغیر تھی اور اگر کسی قوم کی حالت بدتر ہو جا تو سمجھ کر اصلاح نتیجہ تھی۔ اب کیا ہوا؟ قدامت پسند حق پر رہے یا تجدید پر درحق پر؟ نہیں کوئی بھی نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ قدیم صرف قدیم ہونے کی بنا پر باقی رکھنے کے قابل اور جدید صرف جدید ہونے کی بنا پر چھوڑنے کا حق ہے۔ بلکہ قدیم کو دیکھنا چاہیے اُس کے مفاد کے اعتبار سے اور جدید کو دیکھنا چاہیے اُس کے مصلح کے اعتبار سے اگر قدیم نظام انسانی کھیلے زیادہ مناسب ہے تو اس کے بدلنے کی کوشش تخریب کی مراد نہ ہوگی اور اگر جدید زیادہ انسب ہے تو اس کا اختیار کرنا اصلاح ہوگا اور اس اصلاح میں سدا رہنا فساد۔

اسی نظریہ کو حدیث نے باین الفاظ پیش کیا ہے: من سن سنة حسنة فله اجر من عمل بها الى يوم القيامة من سن سنة سيئة فعليه دنر من عمل بها الى يوم القيامة، جو شخص کوئی طریقہ قائم کرے اچھا اُس کو ثواب ملیگا اُن تمام لوگوں کا جو اُس طریقہ پر عمل کریں قیامت کے دن اُن کو جو شخص کوئی طریقہ قائم کرے بُرا اس پر گناہ لکھا جائیگا تمام اُن لوگوں کا جو اُس طریقہ پر چلیں قیامت تک۔

ظاہر ہے کہ طریقہ قائم کرنا بغیر "تجدد" نہیں ہو سکتا لیکن یہی تجدید ایک عجیبے ثواب کے جائیکہ باعث ہے اور ایک عجیبے گناہ کا تفرقہ کیا ہے؟ "حسنہ" اور "سئیہ" ہونیکا یعنی ایک عجیبے طریقہ مفید تھا اس لئے وہ ملائی شکل لکھا تھا اور دوسری عجیبے مضراں "فساد فی الارض" کا مصداق تھا اس لئے خیالی پہل غلط تھا کہ جو کچھ زمانہ قدیم سے ہوتا چلا آیا ہے اس کو قائم ہی رہنا چاہیے۔

تغییرات پیدا ہوں۔ عالم انسانی کے حالات میں ہزاروں اقلیات بات نہیں لیکن ان اقلیوں کے ذریعہ سے ایک بالغ نظر انسان صورت حال کے مطابق رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

اسی لئے ضرورت ہے کہ شریعت اسلام کے سمجھنے والے ہر زمانہ میں موجود رہیں اُس کے صحیح معانی کو اخذ کرنے والے اُس کے دلائل سے صحیح نتائج مرتب کر لیں اور حالات نہ مانہ کو دیکھ کر احکام شرعیہ کی صحیح تشخیص کرنے والے۔

ضروریات نہ مانہ میں برابر اقلیات ہوتے ہیں اور شریعت کے احکام میں بھی باعتبار اشخاص۔ حالات۔ مقامات تبدیلیاں ہوتی ہیں لیکن یہ تمام تبدیلیاں تمام اختلافات تمام تغیرات اسی ایک منبع فضل کے اند ہیں جسے شریعت نے اپنے حدود میں قائم کر رکھا ہو گا یا شریعت اسلامیہ ایک عظیم الشان احاطہ ہو جس کے اند ہزاروں تغیرات سما ہو سکتے ہیں لیکن وہ احاطہ نہیں بدلتا۔ بے شک اس کیلئے سمجھنے کی ضرورت ہے اس کیلئے ضرورت ہے کہ انسان ان کلیات سے مزین و مرتب کر سکے اُن کلیات سے احکام کو اخذ کر سکے۔

یہی معنی ہے شریعت اسلام کے مکمل ہونے کے اور یہی راز ہوا اسکے خاتم قرآن ہونے کا جس کی بنا پر وہ ناقابل ترمیم و تبدیل ہے۔

ہم نے دیکھا جو سابق زمانہ کی شریعتوں میں کہ کوئی سو برس تک قائم رہی۔ کوئی دو سو برس تک۔ کوئی تین سو برس تک۔ تو کیا اتنے طویل زمانوں تک حالات

تو اصلاح ہوگی۔ آپ کا نظریہ یہ ہے کہ جو ہوتا چلا آیا ہے وہ خوب ہے تو انہیں
کا آنا فضول ہے۔

سابقہ انبیاء کے آنے کا مقصد ان ذہنی و عملی تعلیمات و رسوم کا شانا ہے جو
قوموں میں غلط صورت پر قائم ہو جاتے ہیں لیکن آپ کے نبی کی شریعت اتنی مکمل ہے
کہ اس کے لئے آپ کی نبی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسی کی تعلیم جسے آپ بھول گئے ہیں
اُسی کو یاد دینا آپ کی زندگی کے از سر نو تعمیر کرنے کے لئے کافی ہے۔

بیشک میں نے کہا کہ ضرورت تجدید ہر زمانہ میں ہے اور تجدید جب تک ہو سکتی
اصلاح نہیں ہو سکتی اور اصلاح جہاں ضروری ہے تجدید بہر حال ضروری ہے۔

شریعت اسلام کا مکمل ہونا، اس کے معنی نہیں ہیں کہ ہمارے ضروریات زندگی
جس رفتار پر جا رہے ہیں اس میں کوئی تبدیلی نہ ہونا چاہیے۔

یعنی بعثت رسولؐ کے پہلے عالم متغیر کا نظریہ ٹھیک تھا اور بعثت حضرت
کے بعد غلط ہو گیا۔ آپ کے وجود سے پہلے دنیا بے ثبات تھی اور آپ کے بعد دنیا بے ثبات
ہوئی۔ آپ کی بعثت کے پہلے عالم ایک نظام پر نہیں قائم تھا لیکن آپ کے بعد
دنیا ایک نظام بغیر تبدل و تغیر جو کہ عالم میں عملی جا رہی ہے اس لئے شریعت مکمل ہے
ایسا ہرگز نہیں ہے۔ عالم ہر حال میں متغیر ہے۔ دنیا کا نظام بہر صورت تغیر
پذیر ہے اور تغیر ہر زمانہ میں تجدید کا مستلزم ہے لیکن شریعت اسلام کے مکمل ہونے کے
معنی یہ ہیں کہ شریعت اسلام میں ایسے وسیع کھیلے ہیں کہ ضروریات زندگی میں لاکھ

موجب ہیں تو یہ امتداد شریعتوں میں کس اعتبار سے؟
 غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ تغیرات کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا۔ جو صور حال
 میں تبدیلیاں سو برس میں بھی ہوتی ہیں اور دو سو برس میں بھی اور ہزار برس میں بھی
 لیکن یہ تفرقہ باعتبار حدود جامعیت پیدا ہوا یعنی وہ شریعت اپنے حدود میں
 ایسے کلیات رکھتی تھی جو سو برس کے ہونے والے حالات تک کو شامل ہو سکیں۔ دوسری
 شریعت مثلاً ایسے کلیات رکھتی تھی جو دو سو برس تک کے تغیرات کو حاوی ہوں اور
 اس طرح تین سو برس اور چار سو برس تو اس صورت سے اگر کوئی ایسی شریعت ہو جس کے
 وسیع اور جامع کلیات انتہائے دور زمانہ تک دنا ہونے والے تمام امکانات تغیرات
 کو حاوی ہو سکیں تو یہ شریعت کیوں نہ دائمی حیثیت سے قائم رہے اور اسکے منسوخ
 کرنے کے لئے کسی نبی کی ضرورت کیوں پیش آئے؟

سابقہ شریعتوں میں اس تفرقہ کا قائم کرنا ہی راز تھا اس کا کہ جس طرح
 ان مختلف طولانی مدتوں کے لئے شریعتیں آسکتی ہیں اس لئے کہ اُمّی جامعیت میں
 تفرقہ ہر اسی طرح ایک ایسی شریعت بھی آسکتی ہے جو اپنی انتہائی جامعیت کی
 بدولت پھر منسوخ ہونے کے قابل نہ ہو۔

یہ شریعت اسلام ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہر لن قہد لسنة الله
 متبدل ولا ولن قہد لسنة الله متحول لیکن ہر ضرورت یا اور حالات اپنے
 ہیں اور اسی کے اعتبار سے احکام بھی بدلتے ہیں جو ہر حال شریعت کے حدود کے اندر ہی

ایک صورت پر قائم رہتے تھے۔ یہاں سیکڑوں برس میں نظام زندگی میں کوئی
تغیر پیدا نہ ہوتا تھا۔ ؟

دنیا کا نظام یہ بتلاتا ہے کہ وہ دس برس میں یکساں حالت نہیں قائم رہتی
چہ جائیکہ سو برس اور دوسو برس اور تین سو برس! اتنی مدت میں انقلابات پیدا ہوتے
ہیں، تغیرات رونما ہوتے ہیں پھر یہ کیا کہ ایک صاحب شریعت نبی کے بعد دوسرا نبی
مختلف صدیوں کے بعد آتا رہا۔

اسکے علاوہ ہمارے رسول خاتم النبیین کے بعد ۱۲ سو برس تک مثلاً کوئی نبی مبعوث
نہو اور اسکے ضرورت پیدا نہو۔ کیا وجہ کہ اس دوران میں کسی نبی کی ضرورت
محسوس نہو؟ آخراں زمانہ میں کوئی رسول کیوں نہ پیدا ہوا۔ کیا ضروریات زندگی پر
خدا نادر واقعات، کیا حالات مانہ سے وہ بخیر رہے؟ یا کیا باخبر ہونے کے باوجود اس
تساؤل سے کام لیا؟ کیا اس کی طبیعت میں کالہی ہو کہ ضرورت کا احساس پہلے پیدا
اور کام بعد میں کرے؟ کیا اس کو سوچنے کی ضرورت تھی کہ پہلے احساس پیدا کرے
پھر سمجھے کہ اس کو کیا کرنا چاہیئے؟ اسکے لئے اسباب ہتھا کرئے، انتظام کرے پھر
ضرورت کا سراں انجام کرے۔ نہیں جبکہ یہ کچھ بھی نہیں ہو تو ماننا ٹھیکہ جس شریعت
کی عرصہ جتنی تھی خواہ سو برس خواہ دوسو برس خواہ پانچ سو برس بہر حال اس طویل عرصہ کے
دوران میں کسی دوسرے صاحب شریعت نبی کے آنے کی ضرورت نہ تھی۔ پھر یہ کیونکر
تھا جبکہ اس دوران میں تغیرات ضرور ہوتے تھے اور تغیرات ہی نبی کی بعثت کے

لیکن اس تبدیلی کا اثر کیا شریعت پر پڑا؟ نہیں شریعت میں تبدیلی نہیں ہوئی کیونکہ یہ حکم توجہ سے شریعت قائم ہوئی ہے جب ہی سے تھا کہ انسان مسافرت کی حالت میں دو رکعت نماز پڑھے اور یوں چار رکعت پڑھے۔ اتفاق سے اب تک یہ اس صنف میں داخل تھا لہذا اس وقت یہ حکم تھا۔ اب یہ اُس صنف میں داخل ہو گیا لہذا وہ حکم ہو گیا۔ نہ شریعت میں تبدیلی ہوئی اور نہ شریعت کے حکم میں تبدیلی ہوئی۔ یوں ہی دوسرے مقامات میں۔

یہ اور بات ہے کہ کبھی جزئیات کے ذریعہ حکم پیدا ہوتا ہے اور کبھی کلیات کے ذریعہ۔ اگر کلیہ بحیثیت کلیہ کوئی چیز ہو تو اس سے نکلے ہوئے جزئی احکام اُس شریعت کے حدود سے خارج نہیں ہو سکتے اس لئے کہ کلیہ تو ہمیشہ جزئیات کے وجود کا ہمین منت ہوتا ہے اگر جزئیات سے قطع نظر کیجئے تو کلیہ کا کوئی فائدہ ہی نہ ہوگا۔ کلیہ کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے ہمیشہ اُن خصوصیات میں عمل کرنے سے کہ جہاں وہ کلیہ مطبق ہو۔ اب اگر ہم نے اس کے پہلے کسی خصوصی مصداق کو کلیہ کے نہیں سمجھا تھا یا اگر ضرورت نہ ہوئی تھی اور پھر ضرورت پڑی اور ہم نے کسی خصوصی حکم کا استنباط کیا تو وہ ہمارے لئے ایک نئی چیز تو ہوگی لیکن چونکہ وہ حکم شرعی کے تحت میں ہے لہذا درحقیقت نئی نہیں ہے۔

میں آپ کے سامنے مثال پیش کروں۔ بہت سے اشخاص کہیں گے کہ بالکل نئی چیز ہے جو ہم نے نہیں سنی۔

ہوتے ہیں۔ فرض کیجئے ایک شخص جو اس نے عمر میں کبھی سفر نہیں کیا۔ اپنے وطن میں پیدا ہوا، وطن میں اکھین کھولیں، وطن میں پرورش پائی اور پچاس سال کی عمر تک وطن ہی میں رہا! اس لئے ہمیشہ پانچوں وقت پوری نماز پڑھی ماہ صیام میں ہمیشہ روزے رکھے۔ اتفاق کی بات پچاس برس کی عمر کے بعد اس کو سفر پیش آیا۔ دریا سفر میں وہ اسی طرح نماز پڑھنے لگا جس طرح پڑھتا تھا یعنی صبح کی دو رکعت۔ ظہر عصر کی چار چار رکعت مغرب عشا کی تین اور چار رکعت۔ قبلہ سے ایک وقف شریعت موجود تھا۔ اس نے پوچھا تم نے کس رکعت نماز پڑھی۔ اس نے کہا جتنی ہمیشہ پڑھتا تھا۔ اس نے کہا نہیں اب ظہرین اور عشا کی دو دو رکعت پڑھو۔ اس نے کہا دو رکعت کیسے پڑھوں؟ کیا شریعت میں تبدیلی ہوگئی ہے؟ شریعت تو ہمیشہ ایک رہتی ہے۔ دو شریعتیں کیسے ہو گئیں۔ ہمارے لئے جو شریعت پیشتر تھی وہ ہی اب بھی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔ لہذا ہمارے لئے جو چار رکعت نماز پہلے تھی وہی اب بھی ہونا چاہیئے لاکھوں کو سمجھایا جا کر مکر وہ نہیں مانتا۔ کہتا ہے جو شریعت کا حکم ہے وہی عمل کروں گا۔ حلال محمد حلال الی یوم القیامۃ و حرام محمد حرام الی یوم القیامۃ۔

پھر حقیقت حال اس صورت میں کیا ہے؟ حکم میں تبدیلی ہوئی یا نہیں ہوئی ضرور ہوئی یعنی روزانہ اسکے لئے لازم تھا کہ چار رکعت نماز پڑھے اور آج دو رکعت نماز ہوگئی۔

حاصل کر چکی کو شیش کھجے۔ پوری فرست شوہر کے مظالم کی ہوائے سامنے بیان کر دی گئی۔ ہم نے
 اظہارِ مہر دی کیا بھیندی نہیں ہیں اور انہوں نے کیا اور ہم پر کیا اور کچھ کئی صورت سے طلاق
 حاصل کر چکی کو شیش کھجے یہ ہرگز نہیں کہیں گے اور نہ کہہ سکتے ہیں کہ لڑکی خود طلاق لے لے۔
 کیونکہ یہ لے لے آخر کوئی حق ہی تو ہو لیکن اگر آپ شرع کے تعلیمات پر غائر نظر ڈالئے تو آپ کے لڑکی عملی
 طور پر ایسا حل معلوم ہو جائے گا کہ شوہر پر بے اعتمادی کی صورت میں زوجہ کے لئے حق طلاق
 حاصل کیا جاسکے اور شوہر کو اس کے سلب کر لینا اختیار نہ ہو۔ یہ صورت نئی ضرور ہوگی
 مگر چونکہ وہ شرع کے تعلیمات ہی سے ماخوذ ہے اس لئے زندہ شریعت کے دوام و بقا کے خلاف
 ہے نہ اس کی جامعیت کے منافی۔

یہ اور باتیں کہ گذشتہ واقعہ شدہ کا حل میں ہم اس شریعت کے حل سے فائدہ نہ
 اٹھا سکیں لیکن یہ ہماری نادرا حقیقت ہے اور ہماری غفلت اگر موقع عقد پر زوجہ کو قبل
 طلاق ہو جائے شوہر کی طرف سے ان حالات میں کہ جب طلاق کی ضرورت ہو اور یہ نکاحات اصل
 عینہ عقد میں داخل کر دی جائے خواہ اسی عقد نکاح میں کیسی رو کے عقد لازم میں تو اب
 جو وقت ہمیں ہم کے حالات و ماحولوں زوجہ کو حق ہو گا کہ وہ شوہر کی طرف سے خود یا جس کیلئے
 نکاحات طلاق حاصل ہوئی ہو اس کے ذریعے سے طلاق واقع کرانے۔

نکاحات بجاے خود قابلِ سوخی چتر ہے لیکن جبکہ وہ عقد لازم کے ضمن میں ہوگی تو
 اس کا منسوخ کرنا بھی شوہر کو ممکن ہو گا۔ یہ صورت کیا شریعت اسلام کے اصول و مقررہ قواعد
 ہی؟ ہرگز نہیں کیونکہ طلاق زینہ والا درحقیقت ہو کر ہی ہے۔ یہ نہیں ہو گا کہ زوجہ کو حق

شریعت میں عام طور پر یہ حکم ہے کہ طلاق کا اختیار شوہر کے ہر۔ یہ حکم صحیح
پر مبنی ہے اور اس وقت محل نہیں ہو کہ اس کی تشریح کی جائے بہر حال اس میں
کلام نہیں ہو کہ طلاق کا حق زوجہ کو نہیں ہے بعض لوگ غلط فہمی سے سمجھتے ہیں کہ خلع
میں طلاق زوجہ کی جانب سے ہوتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ خلع میں بھی طلاق دینے
وہ ہوتا ہے یہ اصبات کے کہ خواہش اس کی عورت کی طرف سے ہو اور معاوضہ کے شمار ہو کہ
اس پر کامانہ کیا جائے۔

پھر کیا اسی صورت میں ہو کہ طلاق کا حق زوجہ کا اختیار میں آجائے آپ
فرمائیں گے نہیں بہت اچھا نہیں لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے مشکلات پیدا ہوتے ہیں
بعض ایسا ہوتا ہے کہ زوجہ طاعت گزار اور شوہر اذراں رساں وہ نان و نفقہ نہیں دیتا
پھر کہ حلالا جاتا ہے خبر گیری نہیں کرتا جب اس سے طلاق کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ
فقط تلافی کے لئے اور پریشان کرنے کے لئے طلاق نہیں دیتا۔ اس کا سبب کبھی
یہ ہوتا ہے کہ طلاق کو میووب سمجھ لیا گیا ہے لیکن درحقیقت میووب تو وہ حالات میں
عین کا نتیجہ طلاق ہوتا ہے اور اس لئے کہا گیا ہے بغض الحلال عند اللہ الطلاق
لیکن عام طرز معاشرت میں ان حالات کو میووب میں سمجھتے۔ مگر طلاق کو میووب سمجھتے
ہیں اس لئے طلاق نہیں دیتے۔ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے لڑکی کے لئے
کوئی طریقہ چھپکا ہے کہ انہیں قرار دیا گیا ہے کہ ان صورتوں میں یہ لڑکی حلال
طلاق لیکر کام کی زندگی بسر کرتی ہے۔ ہم سے آکر پوچھئے تو ہم بھی کہیں گے کہ طلاق

ایران میں بھی ہوئے ہیں۔

مگر یہاں شکل تو یہ ہو کر نکاح کے وقت میں طلاق کا نام آیا اور بتگوئی پیدا ہو گئی
حالانکہ اسلام میں بتگوئی کوئی چیز نہیں ہے، یہ آپ کی زندگی دو کے اقوام کیسے مخلوط ہو کر بتگوئی
میں گھر گئی ہے۔ ورنہ آپ کا اسلام بتگوئی کی تعلیم نہیں دیتا یہ جہالت کے اقوال تھے کہ حضرت
موسیٰ سے کہا جاتا تھا انا نظیر نابات تم کو ہم بتگوئی سمجھتے ہیں۔

اسلام میں تفادول ہے جس کے معنی میں بتگوئی نیک اصل کرنا، نیک زندگی کے اقدامات میں
سکون، الطمینان پیدا کرنا ہے۔ بتگوئی نہیں ہے جو حیا انسانی کے سکون میں اضطراب و تشویش پیدا کرے
بہر حال جب شوہر کی بے اعتدالیوں کا اندیشہ ہو تو اس کا یہ حل موجود ہے مگر غلطی سے
اب تک اس صورت کو نہیں اختیار کیا گیا تو یہ انہی غلطی تھی اس سے اسلام کی جامعیت پر ہر
کیوں لایا جائے شریعت اسلامیکہ اندر یقیناً ہزاروں انقلابات کیسے چلنے کی صلاحیت ہے
جائے حالات زندگی میں لاکھوں تغیرات و اصلاحات ہو سکتے ہیں ہزاروں تجدیدیں پیدا
ہو سکتی ہیں جو شریعت کے حدود میں ہوں اور اس سے خارج نہوں۔

پھر تجدید کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شریعت کے خلاف ہے جس طرح قدامت
کی ہر رسم ضروری نہیں کہ مفاد عام کے خلاف ہی ہو، اس لئے ضروری ہے کہ قدیم و جدید
میں موازنہ کر لیا جائے۔ اس کے بعد جو قدم اٹھایا جائے وہ اصلاحی قدم ہو گا ورنہ
تخریب قرار پائیگا اور "فساد فی الارض" کا مصداق۔

طلاق حاصل ہو گیا ہو۔ طلاق اسی کی جانب سے عمل میں آیا جسے شرع نے طلاق کا اختیار دیا ہے۔ اگر کسی وکالت کو ظاہر ہے کہ شوہر ایک اصنی انسان کو وکیل طلاق بنا دیتا ہے تو وہ صنیعہ طلاق کا اجر اگر لیتا ہے یا نہیں پھر اگر زوجہ یحیث وکیل میں صنیعہ طلاق کا اجر ادا کرے تو کیا ہوا؟ صورت مذکورہ بالکل اصول شریعت کے مطابق ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اتنا کہ اس پر عمل درآمد نہیں رہا اگر اب ضرورت محسوس ہو تو اس کا اجر ادا کیا جاسکتا ہے۔

بہر حال یہ نہ کہے کہ شریعت ہلامیہ ناقص ہے۔ ہرگز نہیں وہ کامل ہے اس میں ضرورتِ زندگی کے لحاظ سے احکام موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہم انبی نادان قنیت کی وجہ بعض احکام سے فائدہ نہ اٹھائیں یا یہ کہ کسی حکم خاص پر عمل کرنے کی اب تک ضرورت محسوس نہ ہوئی ہو اب اگر ضرورت محسوس ہو تو اس پر عمل ہو سکتا ہے عراق میں ایسے عقد ہوتے ہیں

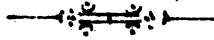
۱۔ یزید نے کہ کہیں عورتیں اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں اور جو درماں تجویز کیا جا رہا ہو وہ مستقل آزاد رہن جائے اس کے متعلق مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ جب حق وکالت عطا کرنا مردوں کے اختیار سے تعلق رکھتا ہے تو کیوں وہ حق وکالت مطلق طریقہ پر عطا کریں بلکہ اس صورت سے مندرجہ عطا کریں اگر ارشاد وہ ایک طویل عینہ نہ تک غائب ہو جائیں یا اپنی زندگی نہ نکٹان ولفقہ ادا نہ کریں تو زوجہ وکیل طلاق ہوگی اس صورت میں زوجہ کو مطلقاً حق طلاق نہ ہوگا اور جو درماں تجویز کیا جا رہا ہے وہ درماں ہی رہے گا مستقل آزاد رہن بن سکے گا نیز جبکہ اس حق کا ادا کیا جانا مرد کے عقل و تدبیر اور اختیار کے ماتحت ہے تو وہ اس مفاد صغی کے خلاف بھی نہ ہوگا جس کے لحاظ سے شاید یہ حق مرد کے لئے قرار دیا ہے۔ (ارشادات حضرت سید العلماء امجدہ ہر فرار لکھنؤ ۹ صفر ۱۳۵۲ھ)

ومن الناس من يعجبك قوله في الحياة الدنيا ويشهد الله على ما في
 قلبه وهو اذ انصاع او اذا تولى سعى في الارض ليفسد فيها ويهلك الحرث
 والنسل والله لا يحب لفساد واذ اقليل له ان الله اتق الله اخذت العزة بلاثم
 فحسبهم لئلا يلبس له ماد -

(یعنی) کچھ لوگ ایسے بھی ہیں دنیا میں جن کی باتیں اس زندگی کے دور میں تم کو
 بہت خوشنا معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنے حسن نیت اور ضمیر کی سچائی پر خدا کو گواہ بھی
 کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ سخت ترین بدخواہ، نفع انسانی کے دشمن ہیں۔ انہوں نے
 اور تمہاری طرف سے منہ پٹا اور بس کوشش شروع کر دی کہ زمین میں فساد پیدا ہو
 اور مالی و جانی نقصان ہوں اور خدا کو پسند نہیں کہ تاجب فیہ شخص سے کہا جاتا ہے
 کہ خدا کا خوف کرو تو اسے اپنے گناہ پر (شرم کے بجائے) امانیت دامنگیر ہوتی ہے
 لہذا اسکے لئے سب جنم کافی ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

بے شک فسدین کا طرز عمل یہی ہے۔ دل میں فساد کے ارادے اور زبان سے
 اصلاح کے دعاوی۔ بدخواہی خلق کی نیتیں اور مہر دی و خیر خواہی کے اظہار۔ اب
 چونکہ نیت کا معیار ہر اس لئے دنیا کے اندر اس عمل کی پروردہ کی شکل ہے دنیا میں
 اس گناہ کا پردہ چاک ہونا دشوار ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ جہاں نیتوں کا حساب
 ہو گا وہاں سمجھ لیا جائیگا۔ دنیا جسمانی حیثیت سے خدا کے سامنے حاضر ہونے سے ظاہر
 اور خدا کے لئے اُس کا جلال و جبروت اور کمال ذاتی اس دنیا کے سامنے آنے سے

مصلحین عالم پر فساد فی الارض کا الزام



صلاح و فساد باعتبار ظاہری صورتوں کے تقریباً ایک دوسرے سے ملتے جلتے
ہوئے طرز عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہ صورت عمل جو ایک مفسد کی ہوتی ہو وہی ایک مصلح
کی۔ وہ بھی ایک عمارت کو خراب کرتا ہو۔ دوسری عمارت اُس کے بجائے قائم کرتا ہو
یہ بھی ایسا ہی کرتا ہو۔

اس بنا پر ذرا نگاہ سی دعوت دینے والے کے طرز عمل کو دیکھ کر اکثر اوقات دھوکا
کھا جاتی ہے اور مفسد کو مصلح سمجھ لیتی ہے یہ مصلح پر مفسد ہو نیک دھوکا ہوتا ہے اور کبھی
انسانی دماغ تردد میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ہم اُس بچانے والے کی آواز پر مصلح سمجھ کر
لبیک کہیں یا مفسد سمجھ کر اُس سے کنارہ کشی کریں۔

مصلحین کی آواز کو مفسدین کی طرف ہمیشہ یہ حکم دہانے کی کوشش لگاتی
کہ یہ مفسد ہیں اور مفسدین اپنے مقصد کو ہمیشہ یہ حکم دہانے لگتے ہیں کہ ہم مصلح ہیں
اس کے متعلق تصور کا ایک نسخہ قرآنی آیت پہلے پیش ہو چکا ہے کہ مفسدین
مصلح ہونے کے دعویدار بنتے ہیں اذا قیل لهم لا تفسدوا فی الارض قالوا
انما نحن مصلحون۔

دوسری جگہ اس تصویر کے خاکہ میں پورا رنگ بھر گیا ہے اس طرح۔

گئے تھے مگر اس مصالح حقیقی پر الزام کیا عائد کیا جاتا ہے ؟

وقال الملائم قوم فرعون اتذرموسى وقومه ليفسدوا فى الارض
ويذركوا والى الله قال سنقتلهم ونباءهم ونسجى نساءهم وانا فوقهم
قاهران راعان ۹

”فرعون کی جماعت والوں نے کہا فرعون سے کہ کیا تم موسیٰ اور انکی قوم کو
چھوڑ دو گے کہ وہ زمین میں فساد کریں اور تم کو باور تمھارے معبودوں سے کنارہ کشی
اختیار کریں فرعون نے کہا۔ یہ کیا شکل ہے۔ ہم انکے بچوں کو قتل کر ڈالیں گے
اور ان کی عورتوں کو زندہ قید کر لیں گے اور ہم لوگ تو ان پر پورا قابو رکھتے ہیں۔
ملاحظہ کیا آئے ہیں ؟ موسیٰ اور ان کے متبعین پر فرعون والوں کی جانب سے
کیا الزام عائد کیا گیا ؟

(لیفسد و فی الارض) زمین خدا میں فساد پیدا کرنا اب اسکے خلاف وہ
کہ جس نے موسیٰ کو اصلاح کا عہدہ تفویض کر کے بھیجا ہر وہ اس حقیقت کی پرکشانہ
کس طرح کرے ؟ اگر وہ اسکے مقابلہ میں صاف یہ کہے کہ مفسد خود فرعون اور اسکی قوم
ہے تو اس سے کیا ہوا۔ ایک طرف خدا اور ایک طرف فرعون۔ یہ اسکے والوں کو
کہہ رہا کہ مفسد وہ اس کو اور اسکی جماعت والوں کو بتا رہا ہے مفسد۔ تو اس میں
لطف کیا ہوا مگر چونکہ فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے یہ کہا گیا تھا کہ موسیٰ اور ان کی
قوم مفسد اس لئے خدا نے تفویض کے سیرایہ میں جواب دیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

مانع اس لئے یہاں آسان **فرعون** اہ کر دیا جائے لیکن اس کو اہی کی تصدیق
کیونکر ہو۔ نتیجہ اس کا آخرت میں جو ظاہر ہونا ہر وہ ہوگا۔ ہاں جہنم ہی سہی لیکن
یہاں تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ یہاں تو بہت سے لوگوں کو دعوتِ صلح کے
بہانے سے اپنے راستے پر لگا لیا اور دنیا کو اپنا گردیدہ بنا کر اپنا کام نکالا۔

اب ملاحظہ فرمائیے کہ مصلحین پر مفسد بونیکا الزام لگایا جاتا ہے۔ اسکے بھی نقشے
آپ کو قرآن میں نظر آئیں گے۔ کفار کی جانب سے انبیاء و مرسلین پر ہی جرم عائد کیا جاتا
تھا کہ یہ مفسدہ پرداز ہیں اسلئے ان کو فٹان کرنا چاہیئے انکی آوازوں کو سننا نہ چاہیئے
جب کچھ کہنا چاہیں تو لوگ کانوں میں انگلیاں نہ لیں۔ یہ اہتمام کس بنا پر تھا
اس لئے تھا کہ وہ انھیں مفسد قرار دیتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ باتیں خرابی پیدا
کرنے والی ہیں اسلئے ان کو سنا ہی نہ جائے ان اشخاص کی آواز جہاں تک
ممکن ہو دبی جائے اور ان کو اپنے دل کی بات زبان پر لانے کا موقع ہی نہ دیا جائے
خیال تو فرمائیے موسیٰ فرعون کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے تھے اور
فرعون کی اتنی کشتی، فساد فی الارض کا وہ درجہ جس کی نظیر تاریخ میں ملنا مشکل
یعنی وہ مظالم جو فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل پر کئے جاتے تھے اس سے وہ تہذیب
میں خیال میں نہیں آتے۔ عورتوں کے شکم چاک کرنا۔ بچوں کو مار ڈالنا۔ لوگوں کے
اسیر کرنا۔ بنی اسرائیل کو اجبوت سمجھنا اور تمام حقوق انسانیت سے ان کو محروم
کر دینا۔ کیا اس سے بڑھ کر فساد فی الارض ہو سکتا ہے اور موسیٰ یقیناً مصلح بنا کر بھیجے

ما جنتہم بہ السحوان اللہ ما یبطلہ ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین ۔

یہ نہیں کہا کہ کون مفسد مگر ہاں برہان عقلی حقیقت معجزہ پر قائم کر دیا اور سحر کے
 بل بھٹنے کو ظاہر کر دیا اور اس طرح ثابت کر دیا کہ مفسد کون ہے۔

حقیقت معجزہ پر ضمنی بحث

دیکھنے میں سحر اور معجزہ دونوں ایک ہی نوعیت کی چیزیں ہیں۔ وہاں بھی غیر معمولی
 باتوں کا دکھلانا ہے اور معجزہ بھی غیر معمولی امور توں کا پیش کرنا ہے لیکن درحقیقت معجزہ اور
 سحر میں فرق باعتبار روح، باعتبار حقیقت اور باعتبار جوہر ہے۔ ہیں دونوں غیر معمولی
 چیزیں لیکن سحر کی کیا تھ کوئی دعویٰ ایسا شریک نہیں ہوتا جس کی ذمہ داری خدا پر
 عائد ہوتی ہو اور اعجاز میں غیر معمولی مظاہروں کے علاوہ کوئی ایسا دعویٰ شریک ہوتا ہے
 دنیا میں مختلف طرح کے کام ہوتے ہیں کچھ معمولی کچھ غیر معمولی خدا کو
 کیا لازم ہے کہ وہ ہمیشہ ان کاموں میں ناکامی ہی پیدا کرے تاہم سحر بھی عالم ساجد

عہ دور ان بیانات میں بعض تعلیم یافتہ صحاب کی طرف سے اس سلسلہ پر کسی حد تک تنبیہ کرنے کی
 خواہش کی گئی تھی اسلئے ضمنی بحث جو درحقیقت موضوع سے خارج ہے ایک معمولی مناسب کلمہ سمجھتے
 پیش کی گئی اسلئے معجزہ ایک مستقل بحث پر ضمنی حیثیت سے روشنی ڈالنے میں اس کے عام گوشے
 سیراب کہاں ہو سکتے ہیں۔ بہر حال میں اس موضوع پر تفسیر قرآن کے تمہیدی مقدمہ میں جو اسلئے
 محتاج کے سال دل میں شاید ہو اس بہت کچھ لکھ چکا ہوں لیکن ہر جو گوشے یہاں لکھ گئے ہیں

نہایت بحث لکھ ہوں (ارشاد اید العلماء مندرجہ مرزا و مصنف حضرت آقا)

ثم بعثنا من بعدهم موسىٰ باياتنا الىٰ فرعون وملأه فظلموا عجا فانا نظر كيف
كان عاقبة المفسدين (اعراف ۳)

ہم نے موسیٰ کو بھیجا اپنی نشانیوں کیسے فرعون اور اسکی جماعت کے پاس مگر ان لوگوں نے
ہماری نشانیوں کیساتھ ظلم کیا۔ اب تم خود دیکھو کہ مفسد جتنے اُن کا انجام کیا ہوا۔
یاد رکھنا چاہیے کہ گالی کے مقابلہ میں گالی دنیا کوئی لطف کی بات نہیں لیکن حقیقت کا
اظہار بھی ضروری ہو۔ خدا کو اپنے پیغمبر کو بری کرنا تھا اس پر مفسد ہو نیکیا جو الزام لگایا گیا تھا
اس کا دفعیہ کرنا تھا جس کے مختلف طریقے اختیار کئے گئے۔ ایک دوسرے موقع پر جب بلی
اور ساحران فرعون میں مقابلہ ہوا ہر ارشاد ہوتا رہے :

فلما القوا قال موسىٰ ما جئتم بالسحرات الله سيد بطله ان الله لا يصلح
عمل المفسدين "جب ساحروں نے اپنی رسیاں پھنکیں موسیٰ نے کہا یہ جو تم نے ظاہر کیا یہ
سحر ہے خدا اسے ابھی اسی باطل کر دے گا۔ خدا بھی مفسدین کے کام کو سرسبز نہیں بناتا۔"
معلوم ہوتا ہے کہ "مفسد کی لفظ کھٹک ہی ہے جس کا استعمال موسیٰ کے بارے میں
کیا گیا تھا اور مختلف طریقوں سے اس کا جواب یا جارہا ہے۔

میں کہہ چکا اور پھر کہتا ہوں کہ کبھی اس میں لطف نہیں ہو کہ کوئی اسکی ناگواری
کلمہ کوئی کہے تو آپ اس کلمہ کو اس کی طرف پٹا دیجئے نہیں اس وقت سکوت کیجئے اور
پھر بولیں دبر بان سے ثابت کر دیجئے کہ اس کلمہ کا مصداق کون ہے ؟
"مفسد کی لفظ موسیٰ کی نسبت بھی گئی۔ اب برابر مختلف طریقوں سے بتلایا جا رہا ہے کہ مفسد

اس کا تب کو اپنے اس نتیجہ عمل پر کچھ بھروسہ بھی ہو اور وہ دنیا کو دعوت بھی دے سکے
 کہ اگر کوئی میرا مقابل ہو تو اسکے مثل بنا کر پیش کرے یہ دعویٰ کو حق تھا اپنی
 گلستان پر ادعا کے کمال کر نیکا۔ یا قوت مستغصی کو حق تھا اپنے کتبوں پر دعوائے
 بے مثالی کرنے کا میرا نہیں کو اپنے مرثیہ کے اوپر ادعا کے بے نظیری کر نیکا مختلف
 اس قسم کے کارناماں ہوتے ہیں اور ان کی مثال دنیا میں پیش نہیں ہوتی لیکن کیا
 ضرورت خدا کو کہ وہ ان میں سے ہر ایک کے دعوے کو غلط ثابت کرے اس لئے کہ
 بہر حال اگر نتیجہ کمال ہو تو اس کے ایک مخلوق کا وہ طاقتیں جن سے یہ کمال ظاہر
 ہوا اسکی پیدا کی ہوئی ہیں۔ وہ قوتیں جو کارفرما ہیں وہ خالق کی دی ہوئی وہ اگر
 کسی کو پیدا کرے جو اس کے دعوے کمال کو باطل کر دے تو پھر ضرورت ہے کہ اسکی مثالی
 باطل کرنے کے لئے ایک دوسرا پیدا کیا جائے اور پھر اسکے لئے تیسرا پھر یہ سلسلہ
 ختم تو ہو ہی گا کیونکہ دنیا کا نظام متناہی ہی غیر محدود نہیں ہر اہل آخریں جو ہو گا
 اس کا دعویٰ لا جواب ہی رہے گا۔

پھر خدا کو کیا ضرورت کہ وہ اس جھگڑے میں ڈپے اور ہر ایک کے دعوے کو
 باطل کرے۔ لہذا ہر زمانہ میں ایسی قابلیت کے اشخاص پیدا ہو سکتے ہیں جیسی
 قابلیتیں ان کے غیر میں مفقود ہیں۔

ایک اشعار یا شعر کہہ سکتا ہے جس کے مثل کوئی اور نہیں کہہ سکتا گا ایسا کتبہ
 لکھ سکتا ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔

تحت ہر دنیا میں ہر قسم کے اسباب کا فرما ہیں۔ وہ سب اسباب خدا ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ ان اسباب میں کچھ وہ ہیں جو ہم کو معلوم ہیں۔ کچھ ہم کو نہیں معلوم ہیں۔ جو ہم کو معلوم ہیں وہ ہمارے لئے معمولی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ اسباب جو خاص خاص لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں وہ غیر معمولی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر یہ نہیں ہرگز کہ کوئی اثر بغیر مؤثر و مفعول ہو جائے۔ سچو سچو ہے وہ بھی عالم طبیعات کے حدود کے اندر ہی۔ وہ بھی عالم کون و فساد اور نظام اسباب کے سلسلہ کے تحت ہے۔ اس لئے جب ہم کہتے ہیں غیر معمولی چیز ہے یا خارق عادت ہے تو خارق اس بنا پر کہتے ہیں کہ وہ اس عام دستور کے خلاف ہے جو ہمارے آنکھوں کے سامنے قائم ہے ورنہ اگر بلا اسباب ہوتا تو ہم خارق عادت نہ کہتے خارق عقل کہتے۔

اکثر عام اسباب کے سلسلہ میں نتائج ایسے غیر معمولی ہو جاتے ہیں جن کو دنیا میں خیال کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔

ایک طبیب بعض اوقات ایسے مریضوں کو اچھا کر دیتا ہے جن کا اچھا ہونا اس کے قبل دنیا نے نہیں دیکھا تھا۔ ایک انشا پرداز، بسا اوقات ایسی تحریریں اس کے قلم سے نکل جاتی ہے جس کی نظیر اس سے پہلے آنکھوں کے سامنے نہیں آئی تھی۔ ایک شاعر، بسا اوقات اس کی طبیعت سے ایسا شعر نکلتا ہے جو جیسا شعر اس کے قبل نہیں ہوا۔ ایک کاتب بسا اوقات اس کے ہاتھ سے ایسے نقوش نکلتے ہیں جن کے مثل کتبہ پہلے آنکھوں نے نہیں دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس طبیب کو۔ اس انشا پرداز کو۔ اس شاعر کو۔

چھاپہ خانہ کے وجود کی دلیل ہے۔ ہاں وہ اجزا جن کے ذریعے سے چھاپہ دہ طاقتیں جو اس میں کاغذ یا ہویں وہ دلیل ہیں وجود خدا کی کیونکہ ان پر غیر خدا قادر نہیں ہے معلوم ہو گا کہ وہ آثار جن پر وہ مخصوص حیثیت سے قدرت نہیں رکھتا بلکہ دنیا کے لوگ بھی اقتدار رکھتے ہیں وہ آثار دلیل وجود خدا کی نہیں بن سکتے۔

باہم تعلیم یافتہ طبقہ سے کہتا ہوں۔ میرے ان الفاظ پر پھر غور کیجئے کہ خدا کے وجود کو کیونکر پہچانا؟ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایک تباری تو خدا کا نام ہی نہیں کیونکہ وہ جو خدا کو نہیں مانتا اس سے میں معجزہ کی بحث کروں گا کیوں؟ معجزہ کا سوا جو پیدا ہوتا ہے وہ تو جب ہی کہ خدا کا وجود پہلے ثابت ہو چکا ہو۔ چنانچہ بحث معجزہ کی ہر اس لئے میں خدا کے وجود کو اس طرح سے بتلا رہا ہوں کہ یادہ تسلیم شدہ ہے۔ اس مادی سے میں گفتگو کروں گا خدا کے وجود میں۔ معجزہ کی بحث میں ہر حال اس سوال کی توجہ کش نہیں ہے۔ خدا تو تسلیم ہو ہی چکا، اسلئے یہ پوچھتا ہوں کہ خدا کو کیونکر مانتا ہے آثار کے ذریعے۔

آثار اگر وہ ہوتے جو خدا اور غیر خدا میں مشترکہ حیثیت رکھتے یعنی خدا بھی ان آثار پر قدرت رکھتا اور غیر خدا بھی تو یہ آثار کیسے دلیل ہوتے وجود خدا کی؟ نہ ہوتے۔ تو خدا کے وجود کی دلیل وہ آثار بن سکتے ہیں جو خصوصیت رکھتے ہوں خدا کے ساتھ یعنی جن پر غیر خدا قادر نہیں ہے۔

اب مجھے پہچانا ہے خدا کے پیغمبر خدا کی طرح کے سفیر کو۔ جب خدا کو خود اسے

یہ سب ٹھیک سے اسلئے ہو کہ اس کے ساتھ کوئی دعویٰ شریک نہیں ہے جو خدا پر
 ذمہ داری عائد کرے لہذا خدا پر فرض نہیں ہے لیکن یاد رکھئے کہ اگر ان میں سے
 کوئی ایک اپنے نتیجہ کارگزاری کو یہ کہہ کر پیش کرے کہ خدا نے مجھے کسی عہدہ پر مقرر
 کر کے بھیجا ہے اور یہ اس کا ثبوت ہے۔ اور یہ جھوٹا ہوتا تو خدا پر لازم ہے کہ وہ کسی کو اتنی
 قوت عطا کر دے جو اس کے خلاف مظاہرہ کر کے اس کے دعوے کو باطل کرے،
 ورنہ ان دیکھا خدا جو بغیر اپنے آثار قدرت کے خود نہ پہچانا جاسکا اس کے سفیر کو
 ہم بغیر آثار کے کیسے پہچانیں؟

جب خدا کی الوہیت آثار کی محتاج ہو۔ الوہیت محتاج نہیں ہوتی
 یعنی ہمارا پہچانا اس الوہیت کو محتاج ہے آثار کی جانب۔ وہ خدا آنکھوں سے
 دیکھنے کے لائق نہیں ہے تو اب اس کی طرف سے سفارت کا عہدہ کیونکر تسلیم کیا جا
 سکتا ہے اگر کسی مادی ہستی کی طرف سے سفارت کا دعویٰ ہوتا اس کے پاس جاکر اس کو
 خط لکھ کر تصدیق کرائی جاسکتی تھی کہ ہاں یہ سیرانا منیدہ ہے لیکن یہاں تو ایسا
 نہیں ہے جب خدا کی الوہیت کو خود اسے دیکھ کر نہیں جانا تو رسول کی رسالت
 اس سے براہ راست دریافت کر کے تو جانی نہیں جاسکتی پھر خدا کو کیونکر پہچانا؟
 آثار کے ذریعے سے۔ اب اگر یہ آثار مشترک حیثیت رکھتے یعنی غیر خدا بھی ان پر
 قادر ہوتا تو کیا یہ دلیل الوہیت بن سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔
 چھٹی ہوئی کتاب اپنے چھپے ہوئے کی حیثیت سے خدا کے وجود کی نہیں بلکہ

کہ وہ حقائق پر غور کر سکیں اُن کے لئے ان مادی معجزوں کی کیا ضرورت ؟
 میں کہتا ہوں کہ آپسے کس نے کہا کہ معجزہ بس پیچروں کے لئے امانت کا بھتیجہ
 ہونے یا کتاب کے پلٹنے ہی سے متعلق ہو۔ دیکھئے میرے الفاظ جو میں نے کہے۔ وہ
 آنا رخصتی جو ایک معجزہ من اللہ کے لئے ہو سکتے ہیں اور دوسرے میں عقلا پائے
 نہیں جاسکتے وہ معجزہ ہیں وہ باعتبار معیار فہم مختلف ہیں۔

وہ ایک بلند مرتبہ فلاسفر کے لئے وہ رموز دہرا عقلی ہونگے جو اُس کے کلام میں
 دلچسپ ہیں۔ اُس کے اعتبار سے وہی معجزہ ہونگے۔

ایک سطحی نظر والے انسان کے لئے جو حقائق کلام کو نہیں سمجھ سکتا معجزہ ہونا کتاب
 کا پلٹنا اور ماہتاب کا دو ٹکڑے ہونا وغیرہ وغیرہ۔

تو یہ نہ کہئے کہ معجزہ کی ضرورت نہیں۔ معجزہ اگر نہ ہو تب تو نبی کی نبوت ثابت
 ہو ہی نہیں سکتی۔ معجزہ کے معنی ہیں وہ چیز جس سے درد سے لوگ قاصر ہوں اور بس قائل
 سنگ یزدوں کا بولنا۔ پیچروں کا کلام کرنا اس کو کبھی اسلام نے موقع استدلال
 میں پیش نہیں کیا، بطور اعجاز اپنے لئے دلیل حقانیت نہیں قرار دیا۔ یہ اور بات ہے
 کہ کسی خاص وقت کوئی جماعت یہی چاہتی ہو تو اُس کے لئے پیش کر دیا۔ کوئی خاص
 طبقہ ہو وہ یہ کہتا ہو کہ جب تک سنگریزے نہ بولیں گے ہم ایمان نہ لائینگے اُن کے لئے وہ
 ہوا۔ کوئی ایسی جماعت ہو جو یہ کہتی ہو کہ اُس وقت تک ہم نہیں سمجھیں گے جب تک کہ
 چاند کے دو ٹکڑے نہ ہوں لیکن میں یہی کہتا ہوں کہ ہمارے ایمان کا دار و مدار ان معجزات پر نہیں

دیکھ کر نہیں پہچانا تو سفیر کی سفارت کو خود بھیجے والے سے پوچھ کر تو سمجھ نہیں سکتا
 وہ کیا دعویٰ تو بہت سے دعویدار جھوٹے بھی ہوتے ہیں۔ کتنے مدعی رسالت کئے
 کیا سب صحیح ہی کہتے تھے تو معلوم ہوا کہ مدعی کا دعویٰ اس باب میں کہ وہ خدا کی
 طرف سے بھیجا ہوا ہے ضروری نہیں ہر کہ درست ہو۔ پھر جب بھیجے والے تک ماری
 رسائی نہیں۔ بھیجے جانے والے کا دعویٰ مفید نہیں تو اب بتلائیے کہ کیونکر سمجھیں
 خدا جس طرح غیر مادی تھا اسی طرح یہ مادی انسان اُس رشتہ کے لحاظ سے جس کا غیر مادی
 ہستی کے ساتھ ادعا کر رہا ہو مادی حدود سے بلند ہو گیا ہو۔ اسلئے ماننا پڑے گا کہ جس طرح
 اُس غیر مادی ہستی کو پہچانا اُسی ذریعے سے اُس غیر مادی ہستی کیساتھ تعلق کو پہچانیں
 اُس کو ہم نے پہچانا تھا آثار کے ذریعے سے۔ اس کو بھی آثار کے ذریعے سے سمجھیں۔ ہاں
 ہم نے کہا تھا کہ اگر آثار مشترک ہوتے جن پر خدا اور غیر خدا دونوں قدرت رکھتے ہیں
 تو خدا کے وجود کی دلیل نہیں بن سکتے تھے۔ اسی طرح آثار جو اس عہدہ اور منصب
 کی دلیل بن سکتے ہیں وہ وہی ہیں جو مخصوص ہوں۔

مخصوص کیا معنی؟ یعنی جو سوائے مبعوث من اللہ کے دوسرے شخص میں
 عقلاً پائے نہ جاسکیں۔ اسی کو کہتے ہیں ”معجزہ“۔

آشروں اس معجزہ کے معنی صرف ”مادی“ کے سمجھ لئے ہیں۔ مانتا ہے کاشق ہونا
 معجزہ ہو۔ آفتاب کا پلٹنا معجزہ ہو سنگریزوں کا تسبیح کہنا معجزہ ہو۔ بس یہی معجزہ
 ہیں۔ اسلئے یہ جماعت اکثر کہتی ہے کہ جو لوگ اپنے عقول کے اعتبار سے اتنے ترقی یافتہ ہو

کے معجزات نبوت کا استدلال ہمیں پیش کیجئے۔ ہمیں نہیں ہر یہاں نبوت ایک دور
 اور نہ مانہ کیساتھ محدود نہیں تھی۔ اس لئے اس کو ایسے معجزات کیساتھ وابستہ نہیں
 کیا جاسکتا تھا جو محدود حیثیت رکھتے ہوں۔ ایسی نبوت جو غیر محدود حیثیت رکھتی ہو
 اور غیر محدود ایسی کلاس میں مختلف طبقات مختلف طبقات اور مختلف خیالات کے افراد
 پیدا ہونے والے ہوں۔ عالم انسانی کے مراتب بلند ہونے والے ہوں اس کے لئے معجزہ
 ایسا ہونا چاہیے تھا جو ہر حیثیت معجزہ ہو۔ ظاہری اعتبار سے سطحی نظر رکھنے والوں
 کے لئے معجزہ۔ لفظ کے لحاظ سے اہل لفظ کے لئے معجزہ معنی کے لحاظ سے اہل معنی کے
 لئے تحقیقی نظر رکھنے والوں کے لئے معجزہ۔ اہل سائنس کے لئے معجزہ۔ اہل حکمت کے لئے
 معجزہ۔ دنیا بھر کے لئے معجزہ۔

یہ قرآن ہے۔ یہ درحقیقت ایک معجزہ نہیں ہر رسول کا بلکہ جتنے لوگ نبیاں
 ہیں اور جس طرح کے معجزہ کے طالب ہیں ہر ایک کے اعتبار سے اسی لحاظ سے معجزہ ہے۔
 تو معجزہ کے معنی درحقیقت عام آنکھوں میں محدود ہو گئے ہیں۔ معجزہ کے معنی یہ سمجھ
 لئے گئے ہیں کہ آدمی اشیاء میں انقلاب، یہی بس معجزہ ہے۔ اس لئے یہ کہتے ہیں کہ اس
 معجزہ کی ضرورت کیا ہو ان لوگوں کے لئے جو آدمی اشیاء کے تغیرات کو کچھ سمجھتے نہیں
 مگر درحقیقت معجزہ وہ نہیں ہے۔ معجزہ وہ دلیل ہے جو خصوصیت کے ساتھ کسی رسول کی
 رسالت کو بتائے۔

اب اگر دلیل ایسی ہو جو مدالی حیثیت رکھتی ہو۔ جو علمی حیثیت رکھتی ہو تو وہ

ہی لے میں کہتا ہوں کہ دنیا کی تمام باتوں میں وابستہ تھیں اُن معجزات کے ساتھ جو حدود زمانہ کیساتھ وابستہ تھے اور جو اُس زمانہ کیساتھ رخصت ہو گئے۔ میں نے مانا کہ عیسیٰ نے مرے زندہ کئے مگر جنہوں نے دیکھا ہوگا اُن کے لئے معجزہ ہو گئے، میں نے تسلیم کیا کہ وہ مٹی کا پرند بناتے تھے اُن میں روح پھونکتے تھے اور وہ اُرجاتا تھا۔ مگر یہ معجزہ انہی کے لئے تھا جو عین موقع پر موجود ہوتے تھے۔

میں نے مانا کہ یہ معجزات تھے مگر اُن کے لئے جن پر انکا اثر پڑ سکتا تھا جن کیلئے وہ حدودِ نبوت میں آئے تھے اور قطعی تھے اُن کے لئے دلیلِ نبوت تھے مگر بعد والوں کے لئے تو وہ حدودِ روایت میں داخل ہو گئے۔ اور روایت کا یہ حال ہو کہ ہر پیشوا کی ماننے والی جماعت میں اس قسم کے روایات اپنے پیشوا کے متعلق موجود ہوتے ہیں تو پھر ان روایات میں کیسے سمجھا جاسکتا ہو کہ کون روایتیں غلط اور کون صحیح۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اُس حد کے جانے کے ساتھ، اُن دیکھنے والوں کی نسل کے رخصت ہونے کے ساتھ معجزے رخصت ہو گئے۔ اب تو اُن کے لئے کوئی بھی دلیلِ نبوت موجود نہیں ہے۔

یعنی عیسائی یہودیوں سے تسلیم نہیں کر سکتے کہ عیسیٰ کی نبوت حق تھی۔ ہم منوالیں گے کیونکہ ہمارے قرآن نے تصدیق کر دی ہے مگر یہودیوں سے تسلیم کرالیں غیر ممکن اُن کے ساتھ کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور پہلے رسول کی نبوت، دوسرا طرح کے وقتی معجزات پر مبنی نہیں ہے۔

تھادی ٹرپوں کا سانپ بن جانا وہ بھی حیرت انگیز اور میرے عصا کا اُردا بننا یہ بھی حیرت انگیز
 منگور دیکھو ابھی فیصلہ ہوا جانا ہے کہ ان میں حق کون ہے اور باطل کون یہ معیار یہ ہے کہ جسے
 خدا برقرار رکھے نہ وہ حق ہے اور جس کے اثر کو مٹا دے وہ باطل ہے معلوم ہو گا کہ سحر و غلط دعویٰ
 کی اشاعت کتنا بڑا مفسد ہے اور خدا مفسدین کی حمایت نہیں کرتا۔

۔۔۔

دیکھو وہ الزام جو مولیٰ پر لگا یا گیا تھا کہ یہ مفسد ہیں اس کا جواب کہ وہ ہیں بڑا ان
 ذریعہ سے دیا جا رہا ہے۔ تم نے ہم کو مفسد کہا اور اپنے دل کو خوش کر لیا لیکن آج دیکھو کہ
 کون مصلح اور کون مفسد ملاحظہ ہر التحوان اللہ میبطلہ یہ جو تم نے کرتب دکھائے ہیں
 یہ تو باد دہریہ ابھی ابھی خدا اس کو ہل کر دیگا۔ یہ اعتماد جو حقانیت پر ہے اسے وہ کلیتہً آخر تک
 معیار اعجاز کو ثابت کرتا ہے اور مصلح و مفسد کے فرق کو نمایاں کر دیتا ہے ان اللہ لا یصلح
 عمل لہ مفسدین یہ خدا مفسد لوگوں کے اعمال کو درست نہیں دیتا۔

چونکہ تم میرے مقابلہ میں میرے اعجاز کو ہل کرنے لگے ہو اور میری کوشش پر
 پانی پھیرنے لگے ہو اگر میرا دعویٰ غلط ہو تب تو مفسد ہیں لیکن جبکہ میرا دعویٰ صحیح ہے اور میں
 مصلح ہوں تو تم جو میرے تقاضے میں سدا بہ حق مفسد ہو اب بھی تمہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ
 میں مفسد ہوں یا تم۔ خدا اس مسئلہ کو حل کر دیگا کیونکہ وہ مفسدین کی حمایت نہیں کرتا۔
 ہر طرح کھوسنے پر ہائی طور پر مفسد ہونے کے الزام سے اپنی برائت ظاہر کی۔
 قدرت کو اپنے نامیذہ خاص (موسیٰ بن عمران) پر فساد فی الارض کا الزام اتارنا

اس اعتبار سے معجزہ ہوگی میاں معجزہ کا کیا ہوتا ہو؟ میرا میس کا کلام ہمیشہ سعدی کی کلمات
 ہمیشہ یعقوب کے کتبے ہمیشہ فردوسی کا شاہنامہ ہمیشہ ہر طرح کی چیزوں میں کچھ ہمیشہ نمود
 موجود میں ہمیشہ یعنی کیا۔ یہی کہ کوئی دوسرا سپر قادر نہ ہوا مگر کیا یہ معجزے ہیں؟ نہیں کہ
 ہمتیال ہونے میں کوئی شہنہ سہی مگر ان کے تھا کوئی دعویٰ ایسا شریک نہیں جو انکی فلاح
 خدا پر عائد کرے۔ یہی چیز یعنی میرا نہیں کا مرثیہ، اگر ان عوی کی تپش پیش ہوتا کہ میں نبی ہوں
 اور یہ میری نبوت کی دلیل ہو تو ذمہ داری خدا پر عائد ہو جاتی۔ اب بھی اگر خدا کی ہمتیال حشر
 قائم رہنے دیتا تو مجھے معجزہ تسلیم کر لینے میں عذر نہ تھا۔

اس لہر کہ اس صورت میں گردہ غلط گو ہو تو خدا پر حمایت ہل کا الزام عائد ہوتا ہے اور
 خدا کی ذات حمایت ہل کی بری ہے۔ بس یہی بات تھی جو موسیٰ نے ساحرین کے مقابلہ میں فرمائی تھی
 یہ کہہ کر کہ: ان الله سيضلهم الله لا يصلح عمل المفسدين میری اتنی طولاً
 تقریر اور اس میں میں نے جو کچھ کہا وہ سب ان دو جملوں میں مندرج ہے موسیٰ کہہ رہے ہیں کہ دیکھو
 اسے شاہنامہ وغیرہ اور قرآن کے متعلق مجھے اس کے طعن کی ضرورت نہیں کہ یہ دونوں بلاغت پر
 مبادی ہیں یا نہیں کیونکہ اگر شاہنامہ کی حیثیت بلاغت خارق عادت درجہ پر تسلیم ہی نہ کیا جائے
 کوئی سوال پیدا ہوتا ہی نہیں چونکہ اکثر تعلیم یافتہ طبقوں کی طرف قرآن مجید کے اعجاز کے مقابلہ
 شاہنامہ وغیرہ کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے اسلئے یہ کہا گیا کہ اگر ان کی شان بلاغت اس درجہ پر
 کہ بھی لیجائے تو وہ خصوصیت اعجاز پیدا نہیں ہوتی کیونکہ ان کے ساتھ دعوائے نبوت شریک نہ
 تاکہ خدا پر ذمہ داری عائد ہو (ارشادات سید العلماء، مندرجہ سرفراز ۹ صفر ۱۳۵۲ گھ)

ارشاد ہوتا ہے۔ ان فرعون علا فی الارض وجعلنا ہما شیعا یتضعف
 طائفتہ منہم یدفع ابناءہم ویستقیی نساءہم انہ کان من المفسدین
 (سورہ قصص ۲)

(یعنی) فرعون نے دنیا میں بلند ہونے کی کوشش کی اور اہل زمین میں تفرقہ انداز
 کی۔ کچھ لوگوں کو کمر در سمجھ کر انکی اولاد کو ذبح کیا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھ کر
 کنیزی میں لیا۔ وہ یقیناً مفسدین میں داخل تھا۔



یہ ایک منظر تھا اس صورت حال کا کہ مصلح حقیقی کو ”مفسد“ کا لقب دیا جائے
 اور اس پر فساد فی الارض کا الزام عائد کیا جائے۔ اور ان صورتوں سے جن کا تذکرہ
 کیا گیا اس الزام کے دفعیہ کی ضرورت پیش آئے بس یہی ہر دور میں سمجھ لیجئے
 کہ براہ مصلحین پر مفسد ہونے کا الزام لگایا گیا ہے اور اس کے ذریعہ سے مفسدین
 نے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔

ذرائع اصلاح کا غلط استعمال

اور

”فساد فی الارض“ کی مختلف صورتیں ❦

دنیا میں مصلح اور مفسد کا فرقہ اس لئے اور زیادہ دشوار ہو گیا کہ جو چیزیں

ناگوار گزارتا تھا کہ آخر یہ کس لفظ کو نظر انداز نہیں کیا لیا اور اس وقت بھی جب فرعون اپنے لشکر سمیت وہیل کی مذہب فرعون سے مخاطب کے موقع پر اسی لفظ کو صریح کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَقَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدْوًا حَتَّىٰ إِذَا دَرَاكَ الْفِرْعَوْنُ أَنَّ الْوَيْلَ لَهُ الْوَالَّذِي أَمَّنْتُمْ بِهِ ۖ فَقَرَّبَ بِبَنِي إِسْرَءِيلَ الْوَيْلَ ۚ وَتَمَنَّىٰ الْمُسْلِمِينَ الْوَيْلَ ۚ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلَ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ (سورہ یونس ۲۵)

یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے عبور کرایا تو فرعون اور اسکے افواہ نے اُن کا پیچھا کیا یہاں تک کہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو اس نے کہا کہ میں ایمان لا اس بات پر کہ سو اے اسکے کوئی حقیقی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل بیان لائے ہو اور میں اُسکے سامنے تسلیم خم کرتا ہوں (جواب میں ارشاد ہوتا ہے) اب؟ حالانکہ اسکے قبل تو نافرمانی کرتا رہا اور "مفسدین" میں داخل رہا۔

گویا آج حق و باطل کی جنگ کے سب سے آخری فیصلہ کن منظر میں بھی مشاہدہ ثابت کر دیا کہ وہی پر مفسد ہونے کا الزام غلط تھا اور وہ لوگ جو ان پر یہ الزام عام کرتے تھے خود بڑے مفسد تھے۔

اس کے بعد اس وقت جب فرعون کا تذکرہ ہمارے رسول سے کیا گیا ہو اور اس کے اوصاف بیان کئے ہیں تب بھی اُسکے مفسد ہونے کی صفت ضرور ذکر کی گئی ہوگی۔

نذیرب اور سلطنت کی اصلاحی طاقتیں

(اور)

فساد فی الارض میں ن کا استعمال

حسین علی کی مصالح ہستی پر فسادین کی بجائے
فساد فی الارض کا الزام

الزام کا دفعیہ اور حقیقت واقعہ کامیاب اظہار

سب سے بڑی طاقت عالم میں اصلاح عالم کی ذمہ دار، نذیرب کی طاقت ہے۔
”اسلام کی جلیبناہ زندگی“ میں یہ بیان کی حد تک تفصیل سے آج کا ہر کہ کوئی کہہ
فساد عالم کیلئے نذیرب کی ضرورت ہے۔ اس وقت تو اسے ایک لمحہ حقیقت کی حیثیت
سے دیکھنا چاہیے کہ نذیرب اصلاح عالم کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ جتنے خدشات مذہب نے
اصلاح عالم کے لئے انجام دئے ہیں اتنے کسی دوسری چیز نے انجام نہیں دئے لیکن اسی

دنیا میں اصلاح کی ذمہ داری ان ہی کو مفیدین عالم فساد میں صرف کرتے رہی ہیں۔
دنیا میں اصلاح کی سب سے بڑی طاقت مذہب ہے مگر اسی مذہب کے نام کو اور اس کی
مذہب کا صورت کو دنیا میں فساد کا ذریعہ بنایا گیا۔

دوسری طاقت اصلاح عالم کی حکومت و سلطنت ہے۔ یہ بھی نظام عالم کو درست
ہی کرنے کے لئے ہی لیکن اسی سے دنیا میں عظیم فسادات برپا کئے گئے۔

تیسری چیز تمدن و تہذیب۔ اس کے ذریعہ سے اصلاح عالم ہونا چاہیے اور
موجودہ دور میں جبکہ مذہب کی طاقت گھٹ رہی ہو اور حکومت کی گرفت سے بھی لوگ
آزاد ہونا چاہتے ہوں جس چیز کا نام اصلاح عالم کے سلسلہ میں لیا جاسکتا ہو وہ نظام
تمدن و تہذیب ہی ہے لیکن اسی تہذیب و تمدن کی آڑ میں امن و امان عالم خاک میں
لایا گیا ہے اور اصلاح کے بجائے فساد پیدا کیا گیا ہے۔

ہیں ان تمام باتوں کو الگ الگ دکھاؤں گا اور ثابت کروں گا کہ ان میں
سے ہر چیز کس طرح اصلاح عالم کی ذمہ داری اور اسے کس کس طرح "فساد فی الارض"
میں صرف کیا گیا۔

ہزاروں گھر برباد ہو گئے۔ ہزاروں شہر و دیہان ہو گئے۔ ہزاروں مظلوم پامال ہو گئے۔ صرف مذہب کی بنیاد پر۔

اور پھر دوسری طاقت جس کی اصلی بنیاد اصلاح پر پروردہ سلطنت کی طاقت ہے حکومت اور سلطنت کی اصلی بنیاد اصلاح عالم پر قائم ہے لیکن چونکہ اس کے فدیہ سے مادی طاقت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ طاقت مقاصد کے سرانجام پانے کی ذمہ دار ہوتی ہے اس لئے غلط مقاصد میں بھی اسی طاقت کو صرف کیا گیا اور اس سے بہت بڑے فسادات دنیا میں نمودار ہوئے اور مفاد عامہ کے خلاف اقدامات کئے گئے جن کا نتیجہ فساد فی الارض کی صورت میں رونما ہوا۔

یہ دو طاقتیں مذہب اور سلطنت، ان میں سے ہر ایک تباہ کن اور ہر ایک نوع انسانی کے لئے غلط صورت میں متعال کئے جانے کی شکل میں نہایت ہلکے اب اگر یہ دونوں طاقتیں کسی وقت میں یکجا ہو جائیں۔ مذہب کی طاقت اور سلطنت کی مادی قوت کیساتھ ایک مقام پر سمجھ کر کام لیا جائے تو پھر اس سے جو فسادات رونما ہو سکتے ہیں ان کی مثال دنیا کے پردہ پر دیکھی نہیں جاسکتی۔

سیحی مذہب جو انجیل کے سطور میں محفوظ ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایک رخسار پر طمانچہ مارے تو دوسرا رخسار بڑھاداس تعلیم میں جنگ جہال، فتنہ و فساد کی گنجائش کہاں تھی لیکن اس مذہب کے علمبرداروں کو جب سلطنت کی سرپرستی حاصل ہوئی اور قسطنطین اعظم کے اس مذہب میں داخل ہونے سے ان کو مادی طاقت حاصل ہوئی تو

مذہب کے ذریعے دنیا میں کیا کیا گیا۔ کتنے فسادات برباد کئے گئے، ان فسادات کو
 بد انسان دیکھتا ہے تو دل چاہتا ہے کہ مذہب کی طرف سے آنکلیں بند کر لے۔
 یہاں تک کہ کچھ لوگ کہتے ہیں مذہب دینے کے قابل ہی اسی لئے کہ مذہب حشر و فساد
 بہر حال ہمیں کیا شہسہ کہ دنیا کی تاریخ ان ہولناک مظالم سے بھر پوری۔ دنیا والوں نے
 اپنے اغراض و مقاصد کو مذہب کے پردے میں چل کرنے کی کوشش کی اور مذہب کو
 ذریعہ قرار دیا۔ اپنے مقاصد کی کامیابی کا اسلئے کہ یہاں مذہب سے مراد کوئی خاص
 مذہب نہیں ہے بلکہ "لائسہ بیت" کے مقابلہ میں جس کو دنیا مذہب کہتی ہے اس کے نام پر
 دنیا میں جتنے فسادات اب بھی ہوتے ہیں اتنے فساد کسی اور شے کی بنیاد پر کم
 رہنا ہوتے ہوں گے۔

بات یہ ہے کہ ہر انسان اپنے مقصد میں کامیابی میں کسی بڑی طاقت کی سہارا
 ڈھونڈتا ہے۔ دنیا میں چونکہ مذہب سے بڑھ کر کوئی شے افکار عالم کو متاثر کرنے والی نہیں
 ہے اس لئے بدینۃ انقلاب پیدا کرنے والوں نے اس کا سہارا زیادہ ڈھونڈھا اور کچھ
 مذہب چیز ہے جس کی بنیاد تقدیر و ربانیت کی نیز عقیدہ متن ری پر ہے اس لئے اس کا نام
 آنے کے بعد نقد و تبصرو کی ہمت لوگوں میں کم رہ جاتی ہے اسلئے وہ لوگ جو دنیا کو اندھا
 بنا کر اپنے اغراض و مقاصد کو چل کرنا چاہتے ہیں انھیں مذہب سے زیادہ قیمتی کوئی چیز
 نہیں ملتی اس لئے وہ اپنے مقاصد کو مذہب کا لباس پہنتے ہیں اور مذہب کا نام
 لیکر علم بلند کرتے ہیں۔

عائد کی جاتی ہر صورت اس لئے کہ وہ خاموش طاقت ہو مگر مذہب نبی بے زبانی کیا تاکہ
ان اہل مذہب کا شاکہ ہو جو اس کے نام پر دنیا کے امن و امان کو برباد کر دیں اور خاموش
فضا میں اضطراب پیدا کریں۔

۰۰۰

میں نے تعویذ دیہ ہوئی یہ کہا تھا کہ مذہب اگر الگ ہے اور حکومت الگ تو ہر ایک
ان میں سے دنیا کی تباہی کے لئے کافی ہو لیکن اگر مذہب حکومت میں سمودیا جائے
تو پھر جتنے فسادات اس سے ہو پاؤ سکتے ہیں ان کی کوئی حد نہیں اس کی سب سے نمایاں
مثال سلاطین بنی امیہ کے دور سلطنت میں ملی۔ یہاں سلطنت اور مذہب سمودیا گیا
نہا یعنی وہ دو چیزیں جنہیں ہر ایک فساد فی الارض کا بے پناہ ذریعہ ہے یہاں دونوں
بہم ہو گئی تھیں اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کیا "فساد فی الارض" کی دنیا میں واقعہ کر بلا
بڑھ کر کوئی مثال مل سکتی ہے۔

یہ واقعہ کر بلا کس بنیاد پر ہوا۔ مذہب اور حکومت کی سموی ہوئی طاقت کے اوپر
میں آپ کے سامنے تاریخ سے دلائل پیش کر چکا کہ حسین بن علی کو قتل کرنے والے دنیا کو یہ
دکھلا رہے تھے کہ ہم مذہب کی ایک خدمت انجام دے رہے ہیں۔ وہ مذہب کے نام پر اپنے
مقاصد کو پورا کر رہے تھے۔ میں نے دکھلایا تھا کہ موسیٰ کو فرعون کی جماعت مفسد بتلا رہی
تھی یعنی جو حقیقی مصلح ہوتا ہے اس پر مفسد ہو بیجا الزام عائد ہوتا ہے اور جو مفسد ہوتا ہے
وہ مصلح بننے کی کوشش کرتا ہے۔

انہوں نے دنیا میں کیا کچھ کیا؟ اس کے تالیخ کے اوراق ابھی تک محفوظ کئے ہوئے ہیں یعنی ہزاروں کامیون کا نوں پانی کی طرح بہ گیا۔ ہزاروں گردنیں زیر تیغ ہو گئیں۔ خاموش اور بے ارمن۔ بے ضرر اشخاص کو لایا جاتا تھا اور ان کے ہاتھ پیروں میں رسیاں باندھ کر قوی سیکل لوگ چاروں طرف کھینچتے تھے یہاں تک کہ ان کے جوڑ بند جدا ہو جائیں۔ متنبیلوں میں معینیں ٹھونکی جاتی تھیں زندہ آگ میں جلائے جاتے تھے۔ یہ تمام مظالم کس چیز کی بنا پر ہوتے تھے اسی مذہب کی بنا پر جس کی تعلیم کاغذی حدود میں ہوتی تھی۔ نیز اس سے پہلے خود حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھانے کا اقدام کیا گیا۔ کس بنا پر؟ مذہب کی بنا پر یعنی وہ یہود اور بابائے برہمنوں نے حضرت عیسیٰ کے قتل کا فتویٰ دیا اور کہا کہ اٹکا ہلاک کمر نالازم ہے اور وہ سلطنت ہی تھی جس کے ذریعہ سے اس تجویز نے عملی صورت اختیار کی۔

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے۔ دنیا میں صلیبی لڑائیاں جاری ہیں جن کا مقصد اصلی صرف سیاست تھا وہ کس طرح مذہب کے نام پر پر پائی گئیں اور کس طرح سادہ لوح افراد کو اس مقدس جذبہ کے تحت میں نذر ہلاکت بنا یا گیا۔

اب بچھئے اس دور میں کہ مذہب کے نام پر کیا کیا فتنے اٹھائے جاتے ہیں اور ان فتنوں میں مفاد عامہ کو کتنے عظیم نقصانات پہنچتے ہیں۔ بھونے بھالے افراد سمجھتے ہیں کہ وہ حقیقتہً مذہب کے نام پر جان دے رہے ہیں لیکن مذہب خود ان کے طرز عمل سے نالاں ہوتا ہے۔ خاموش مذہب کے اوپر اپنے اغراض و مقاصد کی ذمہ داری

پیش کردیگا جن میں حسین نے اس غلط فہمی کو مٹنے کیا ہے اور یہ دھملاؤں کا کڑا نتائج ہے
 امام حسینؑ کی کس طرح تصدیق کی۔ اسی طرح یہ دھملاؤں کا کڑا دوسروں نے حسینؑ کے قتل کو
 مذہبی لباس پہنایا میرے ہاتھ میں صرف یہ کتاب ہے جس کو تاریخ طبری کہتے ہیں
 ایسے محل پر میں سوائے اس کتاب کے کسی دوسری کتاب کا کام نہیں لیتا۔ اس لئے
 میں اسی میں آپ کے سامنے شواہد پیش کرتا ہوں جو میرے موضوع کلام سے تعلق
 رکھتے ہیں۔

میرا مقصد ان حقیقتوں پر روشنی ڈالنا ہے جو میرے عنوان بحث سے متعلق ہیں
 الزام امام حسینؑ اور ان کی جماعت پر ”فساد فی الارض“ کا لگایا جاتا ہے۔ حسینؑ
 اپنی صفائی پیش کرتے ہیں علی صورت اور علی طریقوں سے اس صفائی کا نتیجہ
 ظاہر ہوتا ہے۔

الزام کی ابتدا وہاں سے ہوتی ہے جب حضرت مسلم بھیجے گئے ہیں۔ کیا وہ کوئی
 بغاوت کا قصد رکھتے تھے؟ اگر ایسا ہوتا تو مسلم وہ طرز عمل اختیار نہ کرتے جو کیا۔
 یعنی سیاسی اصول پر جو حکومت سلطنت کے مطابق ہے یہ دیکھیے کہ کوفہ کے دارالامارہ
 میں حاکم موجود مسلم امام حسینؑ کی طرف بطور سفیر بھیجے جاتے ہیں۔ اگر مقصد ہوتا
 مادی طاقت سے تصادم کرنا تو سب پہلا فرض تھا مسلم کا کہ وہ دارالامارہ پر قبضہ
 کرتے مگر مسلم کیا کرتے ہیں؟ گویا اس کا مظاہرہ کہ تمھاری سلطنت کوئی مطلب
 نہیں ہو تمھاری حکومت کوئی غرض نہیں ہے۔

کیا حسین بن علیؑ سے برحکم دنیا میں کوئی مصلح تھا؟ ہرگز نہیں کیونکہ اس وقت
 دنیا فسادات سے پُر تھی یعنی "فساد فی الارض" کے تمام اقسام جمع ہو گئے تھے ان حالات کے اندر
 جو واقعہ گر بلا کے محرک ہوئے ہیں۔ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ نظام اسلام میں انقلاب
 ہو رہا تھا اور بالکل ایک نئی صورت پیدا کی جا رہی تھی۔ ضرورت تھی اس بات کی کہ
 دنیا کو معلوم ہو کہ اصلی تعلیمات اسلام کیا ہیں۔ اور وہ اسلام جس کو رسول اللہ ﷺ نے
 درحقیقت کیا ہے۔ اس حقیقت کو نمایاں کرنے کے لئے اندیہ دکھلانے کے لئے کہ
 دنیا کی موجودہ رفتار مفاد عامہ کے بالکل خلاف ہے امام حسینؑ نے عزم باہنجم کر لیا۔
 حسین کا اقدام صرف اتنا تھا کہ آپ خود ان افعال و اعمال میں شرکت سے انکار کر دیں
 بس اور کچھ نہیں۔ میں اسوہ حسینیؑ میں اس کو تفصیل سے تاریخی شواہد کے ساتھ بیان
 کر چکا ہوں کہ امام حسینؑ کی طرف سے اور کچھ نہیں ہوا تھا سوائے اس کے کہ میں بیعت
 نہیں کرتا۔ میں ان افعال و اعمال کی تائید نہیں کرتا۔ بس اتنا تھا لیکن یہ قانون
 کے خلاف تھا۔ قانون سلطنت کے خلاف اور اس مذہب کے خلاف جس پر سلطنت کا
 خلاف جڑھا ہوا تھا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ نتیجہ وہ ہوا جس کو دنیا جانتی ہے۔ حسین کے ادب الزام
 قائم کیا گیا وہ کہ جو موسیٰ کے ادب قائم کیا گیا تھا۔ یوں ہی پرفرعون کی طرف سے مفسد ہو گیا
 الزام لگایا گیا تھا مگر موسیٰ نے دلائل کے ذریعے یہ دکھلادیا کہ میں مفسد نہیں ہوں۔
 اسی طرح حسین نے اپنے طرز عمل سے شواہد و دلائل سے یہ ثابت کر دیا کہ میں مفسد نہیں ہوں۔
 اعلان مفسد میں جنہوں نے میرے خلاف تلواریں کھینچی ہیں۔ میں آپ کے سامنے وہ شواہد

کام شروع نہ پید کرنا نہیں ہے۔

آپ فرماتے ہیں "امام کے معنی کچلادر نہ سمجھنا! امام کے معنی صرف یہ ہیں کہ وہ انسان جو کتاب و سنت پر عمل کر نیا لا ہو اور عدالت کا پابند ہو اور حق کی پیروی کر نیا لا ہو اور اپنی نفسانی خواہشوں کو مقید کئے ہوئے ہو خدا کی ذات اور اس کی مرضی پر۔"

آپ کے مطالبات ہو گیا۔ یعنی میری جانب سے مادی طاقت کے استعمال کا اندیشہ نہیں کرنا چاہیئے۔ میرے متعلق مفہوم انگیزی کا خطرہ دل میں لانا چاہیئے۔ میں صرف احکام خداوندی پر چلنے والا اور دوسروں کو چلانا والا ہوں۔

میں مسلم آئے۔ اور کوفہ میں قیام کیا۔ انکی کوشش ہرگز مفسدانہ نہ تھی لیکن مفسدین کے مقاصد ان صلاحی رویت سے پامال ضرور ہوتے تھے اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ کہ مسلم گرفتار کئے گئے ان تمام تفصیلات کے بعد جواب کو معلوم ہیں ان کا بیان کرنا مجھے مقصود نہیں ہے۔ اب جب مسلم گرفتار ہو کر ابن زیاد کے پاس لائے گئے ہیں تو اس وقت جو گفتگو ہوئی ہوئی ہے۔ سے ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ کیا الزام ہے جو مسلم پر عائد کیا جاتا ہے۔ ابن زیاد کہتا ہے۔

ایدا ابن عقیل لیت الناس وامرهم جمیع وکلمتهم احدۃ لتشتقوا
وتفرق کلمتهم وتخیل بعضهم علی البعض۔

یعنی ابن عقیل تم یہاں آئے ہو لوگوں میں تفرقہ ڈالنے اور ان میں آپس میں فساد کرنے کے ایک جماعت دوسرے پر حملہ کرے اور جنگ کی صورت پیدا ہو۔

جا کر مختار بن ابی عبیدہ کے مختصر مکان میں قیام کیا۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟
 سبیت یعنی معاہدہ وفاداری امام حسینؑ کے لئے امام کے معنی کیا فوج کشی کرنا والا جنگ
 جہال کرنا والا؟ نہیں۔ اس غلط فہمی کو امام حسینؑ نے اس خط میں جو سب سے پہلے
 مسلم کے ساتھ بطور پیامِ جاہلی کو ذہ کے نام بھیجا گیا تھا دور کر دیا تھا گویا اس خط
 سے دکھلا دیا تھا کہ میرا طرز عمل مصلحانہ ہے مفسدانہ نہیں ہے۔ دنیاوی حیثیت سے لکھنا
 کیا چاہیے تھا؟ یہ لکھا جا رہیے تھا کہ میں مسلم کو بھیجتا ہوں۔ تم ان کے ساتھ ہو کر
 کوفہ کی سرمراتہ حکومت پر سرسپار ہو۔ کوفہ کی فضا کو بیت کے لئے صاف کر دو۔
 ارادہ مارہ پر قبضہ کر لو۔ پھر میں تمہاری جانب آ ہوں۔

یہ ہونا چاہیے تھا لیکن امام نے جو خط تحریر فرمایا ہے اس میں یہ کچھ بھی نہیں ہے۔
 اس میں بس یہ ہے کہ تمہارے خطوط میرے پاس آئے۔ ان سب کا قریب قریب مضمین
 ہے کہ ہمارے لئے کوئی نام نہیں ہو لہذا آپ ہمارے پاس آئیے تاکہ آپ کے ذریعہ سے
 ہم کو ہدایت حاصل ہو اور ہم نقطہ حقیقت پر متفق ہو جائیں۔ اس بنا پر میں اپنے
 معتد علیہ حجاز اور بھائی کو بھیجتا ہوں۔ یہ مجھے تمہارے حالات و خیالات سے اطلاع
 دینگے۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

فلجری ما الامام الا العاصل بالكتاب والاخذ بالقسط الدائن
 بالحق والحق انفسه على ذات الله ۛ

یہ کہہ کر دکھلا دیا ہے کہ امام کبھی ”فساد فی الارض“ کا باعث نہیں ہوتا۔ مسکا

خروج۔ فساد کے الزامات عائد ہو جاتے بلکہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم آئے ہیں اس لئے کہ تمہارے
افعال سے عام مسلمانوں کے اخلاق جو فاسد ہو رہے ہیں ہم ان کی اخلاقی اصلاح کریں
چونکہ دنیا اپنے حکام کے افعال سے بہت متاثر ہوتی ہے۔ لہذا تمہارے ان اعمال افعال سے
جو دماغی اور ذہنی انقلاب خلق خدا میں ہو رہا ہے ہم اس انقلاب کو روکنے کے لئے اور عدالت
و انصاف اور تعلیمات قرآن پر لوگوں کو عمل سیرا بنانے کے لئے آئے ہیں۔

دیکھئے اس مختصر سی گفتگو سے فساد فی الارض کا رخ پلٹا یا نہیں۔

مسلم نے صفائی پیش کر دی کہ نہ میں باقی فساد اور فساد کی طرف دعوت دینے والا۔
اور اگر حقیقت بنیاد فساد قائم کی ہو تو تم نے اور تمہارے حامیوں نے اور تمہارے زعماء
افراد نے لہذا ہم کو فساد سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ وہ واقعہ تھا جو سرنامہ ہر واقعات کے ہلکا کا اب یہ چیز شروع ہو جاتی ہے فساد
فی الارض کا الزام، اس کا دفعیہ اور اپنی صفائی۔ ملاحظہ ہو کہ حضرت سید الشہداء نے
عملی طور پر کس طرح سے کوشش کی اپنی مصلحانہ حیثیت کے نمایان کرنے کی۔

راہ میں حرم کا ملنا اور اس موقع پر امام حسینؑ کا خطبہ جب نماز ظہر کا وقت آیا۔
اور اذان ہوئی حضرت خیمہ کے باہر تشریف لائے اور مجمع کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی۔

ایھا الناس! انھا معذتہ الی اللہ عزوجل والیکم۔

”میں چاہتا ہوں کہ خدا کے سامنے ادم لوگوں کے سامنے اپنی صفائی پیش کر دوں“
ان لہ اناکم حتی اتقن کتبکم وقد مت علیٰ رسولکم ان اقدم علینا

فرد قرار داد جرم کا خلاصہ کیا ہوا؟ فساد فی الارض
اب مسلم کی طرح اس کا کیا جواب ہے؟ بے شک اُس طرف مادی طاقت ہو
مگر مسلم کو حق پر اعتماد ہو۔ الزام منکر سکوت کرنا قصد بقی جرم پر محمول ہو نیکیا امکان
رکتا ہو اس لئے مسلم نے جواب دیا اور وہ جواب جس نے آخر تک قدامتینی کے فلسفہ کو
ظاہر کر دیا۔ وہ فرماتے ہیں۔

كلاست اتيت ولكن اهل لمصر عموما ان اباك قتل خياهم وسفك
دماءهم وعمل فيهم اعمال كسرى وقيصر فالتيناهم لنا امر بالعدل ونذوا الى احكام الله
اوهرى فساد في الارض كالزام بالكل دعوائے بے دلیل کی حیثیت لکھا تھا
لیکن مسلم ایک ایک کر کے فساد فی الارض کی مثالیں پیش کر رہے ہیں اور دکھلا رہے ہیں
کہ مفسد کون ہے۔ کہتے ہیں کہ میں اسلئے تو نہیں آیا ہوں کہ مفسدہ پر داری کروں بلکہ
اس ملک لوں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا اور لکھا تھا کہ تیرے باپ نے ان کے نیک
آدمیوں کو قتل کیا اور ان کے خون بہائے یہ ایک بات۔ دوسرے اسلام کی
سادگی کو مٹا کر وہ افعال و اعمال اختیار کئے جو کسری و قیصر کی سنت ہیں۔

یہ دونوں فساد فی الارض کی باتیں ہیں جو درحقیقت اموی سلطنت کے تمام
دور کا خلاصہ ہے۔

اب جناب سلم اپنے آنے کا مقصد بیان فرماتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ہم آئے ہیں کہ
تمہاری طاقتوں کو پامال کر دیں۔ تم سے سلطنت چھین لیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر نجات

رأى كل عبيد ما اتفق كتبكم وقد امت بد على رسلكم انضرت عنكم۔

”ایہا الناس اگر تم انصاف سے کام لو اور حقیقت پر غور کرو اور صاحبان حق کے حق کو پہچانو تو یہ خدا کی رضا مندی کا باعث ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان دعویٰ داران خلافت کے مقابلہ میں جنہوں نے ظلم و تعدی کے افعال اختیار کئے ہم اہلبیت کا حق زیادہ مرتفع ہے۔ بہر حال اگر تمہاری راکہ نہ ہو جو تمہارے خطوط سے ظاہر ہوتی تھی اور جو تمہارے قاصدوں نے بیان کی تھی تو میں واپس چلا جاؤں۔“

اس مرتبہ حمر نے جواب یا جواباً آپ سن چکے ہیں کہ ان خط کے لکھنے والوں میں من خین جمن مگر یہ جواب کوئی جواب نہیں تھا۔ کیونکہ امام حسینؑ نے کسی شخص خاص کو بحیثیت اس کی شخصیت کے مخاطب نہیں کیا تھا بلکہ جمہور اہل کوفہ کو مخاطب کیا تھا۔

بہر حال اس کے بعد راستے کی دوسری تقریریں ہیں۔ ان میں بھی آپ نے دنیا کے ان حالات پر تبصرہ فرمایا ہے جو فساد فی الارض کی حیثیت سے رونما ہیں۔

ایک مقام پر جس کا نام ”بغینہ“ تھا حضرت نے صاحب حرار اپنے اصحاب کے سامنے یہ تقریر فرمائی۔

دیکھئے۔ اسلام کے تعلیمات کا حوالہ دیتے ہوئے، اپنے فرائض کو دکھلاتے ہوئے، فساد فی الارض کے موقع پر مصلح حقیقی کا کیا فرض ہے اسے پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ایہا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال من رأى سلطانا ناجرا أو استخدا للحرم الله ناکث العهد الله مخالف السنة رسول الله

فانه ليس لنا امام لعل الله يجمعنا بآب على الهدى فان كنتم على ذلك
فقد جئتمكم فان تطولنا ما طمئن اليه من عهودكم ومواثيقكم اقدم مصركم
وان لم تفعلوا وكنتم لمقدمي كاهين الضرفت عنكم الى المكان الذي
اقبلت منه اليكم -

”میں تمہاری جانب نہیں آیا جنتک تمہارے خطوط نہیں گئے اور تمہارے مقاصد
میرے پاس نہیں پہنچے ان خطوط اور پیغاموں کا خلاصہ یہی تھا کہ آپ آئیے کیونکہ
ہمارے لئے کوئی امام نہیں ہے شاید آپ کے ذریعے سے خدا ہم کو ہدایت پر جمع کرے۔
اب اگر تم انجیبات پر برقرار ہو تو میں موجود ہوں تم مجھ سے وعدہ کرو اور
اطمینان بخش عہد و پیمان کرو میں تمہارے شہر میں آنے کے لئے طیارہوں اور اگر تم یہاں
نہ کرو اور تم لوگ میرے آنے سے ناراض ہو تو میں واپس چلا جاؤں وہیں جہاں سے
آیا ہوں“

اب دیکھئے کہ اس میں صلح پسندانہ عنصر کے علاوہ کوئی اور عنصر شریک ہے؟
اس خطبہ کا کوئی جواب نہیں ملا۔ پھر دوسری تقریر عصر کے وقت نماز کے بعد آئی
فرمائی جس میں بعد حمد و صلوة مجھ کو مخاطب کر کے ارشاد کیا۔

ایہا الناس فانکم ان تتقوا وتعرفوا الحق لا ہل الا یکن ارضی اللہ عنہ
اہل بیت اولی بولایۃ ہذا الا مر علیکم من ہؤلاء المدعیین مالیس
لہم السائرین فیکم بالجور والعدوان وان انتم کرہتمو نا وجعلتم حقنا وکان

کی کوشش کرے۔“

یقیناً حسین سے بڑھ کر کسی پر یہ فرض عائد نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ انھیں اسلام کے ساتھ جو خصوصیت تھی وہ کسی دوسرے کو نہ تھی۔ اس کی تفصیل میں کسی حد تک پتہ چلا کہ حسین اور اسلام میں کچھ کیا ہوں۔

اسلام کا رسول کب کیا تھے کیا تعلق؟ رسول کیا تھے حسین کا کیا رشتہ؟ پھر اسلام حسین میں کیا ارتباط؟

میں سوچ رہا تھا کہ رسول کے رشتہ کے لحاظ سے حسین اور اسلام میں دہری تعلق تھا جو ایک گود میں پرورش پانے والے دو بچوں میں ہوتا ہے تو اب اگر اسلام کے گلے پر چڑھا دیکر تو حسین سے زیادہ کون متاثر ہوگا۔

یہ سب کچھ ان الفاظ میں مضمحل ہو کر کہ (انا حق من غیۃ) اس کے بعد فرماتے ہیں:
وقد اتتني كتبكم وقد مت عليٰ منكم ببيعةكم انكم لا تسلموني ولا
تخذ لون فان تمتم عليٰ ببيعةكم تصيبوا رشداً کم۔

اور پھر تمھارے خطوط میرے پاس آئے اور تمھارے پیغام پہنچے کہ ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں اس بات پر آپ کو اکیلا نہیں چھوڑینگے اور آپ کی نصرت کریں گے۔ اب اگر تم لوگ نبی بیعت پر قائم رہو گے تو تمھارے ہی لئے اچھا ہوگا۔
فانا الحسين بن علي وابن فاطمة بنت رسول الله نفسي مع انفسكم
واہلی مع اہلیکم فلکم فی اسوة۔

یعل فی عباد اللہ بالاثم والعدۃ ان فلم یغیر علیہ بفعل ولا قول کان حقاً
علی اللہ ان یدخلہ مدخلہ .

یعنی ایسا انسان پیغمبر اسلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی بادشاہ کو دیکھے جو ظلم و
جور کرتا ہو، محرمات الکبیرہ کو حلال بنائے ہوئے ہے، خدائی عہد و پیمان کو توڑ رہا ہو اور
سنت رسول کی مخالفت کرتا ہو۔ اور بندگان خدا میں مصیبت خدا کا طرز اختیار کئے
ہوئے ہر لیکن شخص ان باتوں کو گوارا کرے اور اصلاح کی کوشش نہ کرے نہ قولی اور نہ
عملی تو خدا کو حق ہوگا کہ وہ اسے اسی بادشاہ کے درجہ میں محسوب کرے یعنی اس کے گناہ میں
اسے بھی شریک قرار دے کیونکہ اس نے اپنے طرز عمل سے اس کی مہمت افزائی کی اور اس کے
اعمال و افعال کو تقویت پہنچائی ۔

اس کے بعد آپ موجودہ حالت کو بیان فرماتے ہیں ۔

الافان ہو لا تعدوا طاعة الشیطان وتو کوا طاعة الرحمن واطعوا
الفساد وعطوا الحد وامتأثروا بالفبی واخلوا احرام اللہ وحرمو احلالہ
وانا احق من غیرہ ۔

”تمہیں معلوم ہوگا کہ ان بنی امیہ نے اطاعت شیطان کے مسلک کی پابندی
کر لی ہے اور خدا کی اطاعت کو چھوڑ دیا ہے۔ دنیا میں فساد ظاہر کیا ہے اور حدود خدا کو
معطل کر دیا ہے۔ مسلمانوں کے اموال کو اپنا بنالیا ہے اور حرام خدا کو حلال، حلال خدا کو
حرام بنا دیا ہے۔ اس صورت میں مجھ سے زیادہ کسی پرستی عائد ہوتا ہے کہ وہ اصلاح

خود ہی ضرر اٹھاتا رہی، اب ہمیں مجھے خدا کی رضا مندی اور اس کی حمایت کافی ہو اور کسی کی ضرورت نہیں والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کتنی اطمینان اور سکون سلامتی کی تقریر۔ یہ اس لشکر کے سامنے تقریر ہو جو آپ کو روکنے یا گرفتار کرنے کیلئے آیا ہے۔ یہ جس کے لشکر سے تقریر ہو جس کو والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پیغمبر کیا جا رہا ہے جس سے بڑھ کر اعزاز اور مکمل سلام بااداب ہو نہیں سکتا۔

ان تمام تقریریں دل سے ظاہر ہو گئیں کہ امام اپنا مقصد جنگ و جدال یا تفرقہ اندازی سے معرکہ آرائی نہیں قرار دیتے بلکہ اچھی باتوں کا حکم دینے کے لئے، بری باتوں سے روکنے کے لئے، اخلاقی و مذہبی تعلیم دینے کے لئے انہی مقاصد کے واسطے اپنے آگے کی بنیاد قرار دیر ہے ہیں۔ اب اس میں کوئی بغاوت ہے، کوئی سرکشی ہے، کوئی فساد فی الارض ہے۔ مگر مادیت کے غرور سے سرشار طبائع وہ بہر حال اسی کو گواہا نہیں کرتے کہ کوئی ہماری باتوں کو برا سمجھے۔ چاہے وہ لڑے نہیں مگر اختلاف ہی رکھتا ہو۔ اسلئے الزام ہی الزام کیا ہو وہی فساد فی الارض جس کے بعد دوسرا فریق مصلح قرار پاتا ہو۔ لیکن حسین بہا براپنے عمل مصلحانہ حیثیت کو ثابت کرتے رہے۔ ”جسہ نبی“ میں اسکے متعلق کافی تبصروں کیا گیا ہے۔

کہ بلا میں ہو بچنے کے بعد۔ عمر سعد کی گفتگو اور امام کے شرائط میں یہ امر اس درجہ نمایاں ہو گیا کہ عمر سعد کو تسلیم کرنا پڑا کہ حسین مصلحانہ طریقہ کے کاربند ہیں اور سلجھ چکے ہیں یہ کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یہ ابن سعد کوئی اور نہیں وہ کہ بلا میں بجائے

میں کوئی اور نہیں ہوں حسین ہوں علی کا فرزند اور رسول خدا کی بی بی فاطمہؑ ہر اکا
 ولبند۔ یہ نہ سمجھو کہ میں دنیا کے غصہ ہنساؤں کی طرح تمہیں مصیبت میں مبتلا کر دوں گا اور
 خود اپنی جان بچاؤں گا دنیا کے لیڈروں کا طرز عمل یہی ہے کہ عام افراد کو آگ میں جھونک دیتے
 اور خود راحت و آرام کی زندگی بسر کر دے۔ دوسروں کے گلے کھٹکوا دو اور خود صحیح سلامت اپنی
 جان بچاؤ۔ یہ ہر عام لیڈروں کا طرز عمل آپ فرماتے ہیں کہ میں کیا نہیں ہوں میری جان
 تمہاری جان کے ساتھ ہے اور میری تنہا نہیں ہوں۔ میرے بچے اور عورتیں تمہارے
 بچوں اور عورتوں کے ساتھ ہیں۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم میرے ساتھ شرکت کرو اور جو
 مجھ پر گندے اُس میں تم میرا ہاتھ دو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاِنْقَضَتْ عَهْدُكُمْ وَخَلَعْتُمْ بَعِیْیَ مِنْ اَعْنَاقِكُمْ فَلَعْنَةُ
 مَا هُوَ لَكُمْ بِنَاكَ لَفَدْ خَلَعْتُمْ هَا بَا بَا لَحْیَ وَابْنِ عَمِّیْ مُسْلِمٍ وَالْمَغْرُورِ مِنْ اَعْنَاقِكُمْ فَعِظْلَمْ
 اَخْطَا تُمْ وَنَصِیْبُكُمْ ضِیْعَتُمْ مِنْ نَكَتٍ فَاَنَا مِثْلُ عَلٰی نَفْسِهِ وَیَبْغِیْ اللّٰهُ عَنْكُمْ
 وَالسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

”اور اگر تم ایسا نہ کرو گے دراپنے عہد کو توڑ دالو گے اور میری بیعت اپنی گردنوں
 سے اتار ڈالو گے تو یہ تمہاری طرف سے کوئی نئی بات نہیں ہے کہ چونکہ تم نے میرے باپ اور
 بھائی کے ساتھ یہی کیا اور میرے چچا زاد بھائی مسلم کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا۔
 حقیقتہً فریب خوردہ ہے وہ کہ جو تم سے فریب کھا جائے اگر تم نے ایسا کیا تو یہ
 تمہاری ہی قسمت کا پھیر ہے اور تمہارا ہی نقصان ہے اور جو شخص عہد شکنی کرے وہ

کی صلاح ہے۔“

اب ملاحظہ کیا آپ نے کہ باقر عمر سعد اصلاح امر امت کی صورت کس کی طرف سے پیدا ہوئی حسین کی طرف سے اور ایسی اصلاح جس سے مخالف کو بھی سربانی کی مجال نہیں عمر سعد کو تسلیم کرنا پڑا کہ ان صورتوں کو ضرور منظور کرنا چاہیے۔ ان میں امت کی صلاح ہے۔ تو اب اگر یہ شرائط منظور نہ کئے جائیں تو امت کے لئے فساد ہر اور اس فساد کی ذمہ داری کس پر؟ اس فریق پر جو ان شرائط کو مسترد کرے۔

نتیجہ یہی ہوا یعنی ابن زیاد کی جانب سے یہ شرائط مسترد ہوئے جس کا محرک نجبال عمر سعد شمر بن ذی الجوشن تھا اور اس طرز عمل کو صاف طور سے عمر سعد نے فساد کا لقب دیا چنانچہ جب شمر عمر سعد کے پاس ابن زیاد کا نام لیکر آیا جس میں شرائط کی نامنظوری تھی اور حسین کے قتل کا تاکید بھی حکم تو عمر سعد نے کہا: افتد علیہا امر لکنا دھوا ان فیصلہ ”تو نے فساد پیدا کر دیا اس معاملہ میں جس کے اصلاح کی ہرکو امید تھی۔“ حسین نے اتنا نمایاں کر کے پیش کیا مصلح اور مفسد کے فرق کو کہ اس طرف کی جماعت دلوں کو احساس ہونے لگا چنانچہ یہی بنیاد ہوئی حر کے اس طرف آجانے کی اور فوج عمر سعد سے کنارہ کشی کر لینے کی۔

چنانچہ جب شرائط مسترد ہو چکے اور لڑائی ٹھن گئی اس وقت حر عمر سعد کے پاس آیا اور کہا افعالکم فی واحة من الخصال التي عوض علیکم سعداً ”یہ اتنے شرائط جو حسین نے پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی بھی قابل منظوری نہیں ہو رہا؟“

ابن زیاد اور ابن زیاد کو ذمہ بجائے یزید اور یزید شام کے تخت پر وہی حسین بن علی کا اصل حریف۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ عمر سعد پوری ہوی حاکمیت کی نماندگی کر رہا ہے عمر سعد نے سمجھ لیا کہ حسینؑ حقیقت اپنی طرف سے فساد نہیں چاہ رہے ہیں اور ان کا طرز عمل فساد بردار نہیں ہے چنانچہ آپ نے جب اپنے شرائط پیش کئے اور عمر سعد کیساتھ گفتگو واقع ہوئی اور یہ کہا کہ مجھے ادھر ادھر چلے جانے دو۔ اس موقع پر عمر سعد نے ابن زیاد کو خط لکھا جس کے الفاظ یہ ہیں:

اما بعد فان الله قد اطفا النائرة وجمع الكلمة واصلاح الامم
لهذا حين قد اعطاني ان يرجع الى المكان الذي منه اتى اوان لنيرة
الى اى تغرم تغور المسلمين شئنا فيكون رجلا من المسلمين له ما لهم
وعليه ما عليهم۔

”خدا نے آگ کو بجھا دیا اور اختلاف کو دور کر دیا اور امت اسلامیت کے معاملات کی اصلاح کر دی۔ حسین اقرار کرتے ہیں کہ وہ جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلے جائیں یا تم انہیں روکنا کہہ دیں جس سرحد کی طرف مسلمانوں کی سرحدوں میں سے ہم چاہیں میں وہ ایک فرد مسلم کی سہی زندگی بسر کریں۔“ اور تاہم شرائط کے بعد آخر میں لکھا ہر وہی
هَذَا لَكُمْ رضى ولامة صلاح۔

”یہ وہ باتیں ہیں جن پر تم لوگوں کو رضی ہو چاہیے اور ان میں امت محمدیہ

کتنی نمایاں صورت صلاح اور فساد کے امتیاز کی ایک شخص ہر کہ وہ صلاح کی صورتیں
 اپنی جان سے بے ہوش ہو کر جاتا ہے اور دوسرا فریق ہر کہ اُن میں سے کسی شرط کو
 منظور نہیں کرتا۔ صاف ظاہر ہر کہ پہلا فریق مصالح ہر اور دوسرا مفسد۔ عمر سعد کا
 بھی دل اس معاملہ میں اتنا شکست خوردہ تھا اور ضمیر سے اتنا مطلوب کہ اُس نے صفا
 کہہ دیا۔ اما واللہ لو کان الامار لی لفعلت ولکن امیرک قدابی ذلک۔
 ”خدا کی قسم اگر میرا اختیار ہوتا تو میں ضرور منظور کرتا لیکن تمہارا امیر راسخ
 زیاد) نہیں مانتا۔“

بس جو کو اعانہ ہو گیا کہ عمر سعد کا غمیری بنی حسین کی مصلحا نہ حیثیت کا معترف ہے اور
 بات ہر کہ وہ طبع دنیا کی بنا پر ضمیر کے فیصلہ کے خلاف عمل کر رہا ہے اور فوج کی سرداری
 سے دستبردار نہیں ہو

لیکن حراں ہوا اور ہوس اور طمع و حرص کے شکنجوں سے آزاد تھا اُس نے مصالح کا تقاضا
 دیا اور مفسد سے کنارہ کشی کی نہ لشکر حسین کی طرف آگیا اور تباہ دیا کہ میں پہلے کیوں دھڑ
 تھا اور اب کیوں ادھر آگیا۔

اس نے امام کی خدمت میں آکر کہا کہ میں قصور دار ضرور ہوں کہ آپ کو گھیر کر
 اس جگہ لے آیا۔ مگر یہ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ لوگ آپ کے تمام شرائط کو مسترد کر دینگے
 جو آپ پیش کر دینگے۔ میں نے خیال کیا تھا کہ میں کسی حد تک قانون کی خلاف ورزی
 بھی نہ کر دل اور بھر نتیجہ تو حسین بن علی ایسے شرائط پیش کرینگے جن میں کسی نہ کسی کو

قرآن مجید میں ہے۔

وقال فرعون ذنوبي اقول موسى وليدع دبراني اخاف ان ميتك

دینکراوان یظہر فی الارض لفساد (سورہ موسیٰ ۲۲)

”فرعون نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں۔ چاہے وہ اپنے خدا سے فریاد بھی کرے کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمھارے دین کو بدل دینگے یا دوسرے زمین میں فساد پیدا کرینگے۔“

یہی الزام اہم سین پر عائد کیا گیا تھا جو کوئی نئی بات نہ تھی وہ جو فرعون نے طاقتوں کی طرف سے ہونا چاہیے تھا وہ ہوا ہا تھا اور وہ جو مصلحین حقیقی کو گناہا پہنچا کر وہ دلائل کے ذریعے اپنے کو بے جرم ثابت کر دیں جو حسین کی جانب سے ہوا چونکہ جرم یہ قرار دیا گیا تھا کہ تم فساد فی الارض کے مرتکب اب دین سے منحرف ہو۔ اس کے مقابل میں مصلح حقیقی نے دلائل کے ذریعے اپنے طرز عمل کے ذریعہ سے دنیا کے سامنے یہ ثابت کر دیا کہ میں مفسد نہیں ہوں اور نہ دین سے منحرف ہوں۔ اس طرح ثابت کیا کہ اب ہمارے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم کو دلائل وبراہین سے کام لینے کی حاجت نہیں۔ یہ منوالگے خود اپنے دور حیات میں اور اپنے طرز عمل سے انھوں نے تسلیم کر لیا ان لوگوں سے کہ جو فساد فی الارض کا الزام عائد کر نیوالے تھے مختلف طرح سے آپ نے اپنی صفائی پیش کی۔ یہ ظہر کے وقت کا مکالمہ۔ پھر وہ عصر کی تقریر پھر وہ مانتہ کی منزل پر تقریر پھر کہ بلا ہو سچنے کے بعد عمر سعد سے گفتگو اور شراطین

یہ وہ چیزیں ہیں جو بطور پاداش جرمِ مفسد کے لئے قرار دی گئی ہیں۔ میرا انداز بیان یہ نہیں ہے کہ میں مصائب بیان کر کے آپ کو متاثر کر دوں۔

بہر حال جو کہنا چاہتا ہوں اُس پر اشارۃً تبصرہ بھی ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ چند چیزیں فساد فی الارض کی پاداش میں قرآن نے ذکر کی ہیں وہاں ایک ایک کر کے انہیں بتلایا گیا تھا۔ یا یہ۔ یا وہ۔ یا وہ لیکن مفسدین فی الارض نے انہوں نے اپنی طاغوتی طاقتوں کے برتنے پر ایک مصلحِ حقیقی کو مفسد کا لقب دیدیا تھا۔ انہوں نے اُس کے ساتھ وہ سب لوگ جمع کر دئے۔ ممکن تھا کہ میں اس کو ان الفاظ میں بیان کرتا جس طرح مجلس میں بیان ہونا چاہیے لیکن مجھے وحقیقت نفسِ مطلب کو آپ کے سامنے پیش کرنا ہے۔ آپ اس کو جب غور کیجئے گا تو سمجھ میں آئے گا کہ جتنی چیزوں کو علیہ علیہ یا یہ کر دیا ہے کہ اس کے الفاظ میں ذکر کیا گیا تھا ان کو اجتماعی صورت پر بتا گیا اس غنا کے نیک بندہ کیساتھ اس مصلحِ عالم کے ساتھ جس کو انہوں نے اپنے مذاق میں مفسد سمجھا اور مفسد کی صورت میں دیکھ کے سامنے پیش کیا اور پھر یہ سب کس بنا پر؟ مذہب کی طرف سے دین کے پردے میں وہ کہ جو مذہب کو فنکار ہے تھے۔ وہ کہ جو دین اسلام کو تباہ کر رہے تھے وہ دنیا کو یہ دکھلا رہے تھے کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ حقیقتِ دینی احکام کی بنا پر اور مذہبی تعلیمات کے ماتحت۔

ہم کو متاثر ہے یہ تذکرہ قرآن مجید میں کہ فرعون کی جانب سے جس طرح موسیٰ کو فساد کا مجرم ٹھہرایا گیا۔ اسی طرح دین کے ٹٹلنے کا الزام بھی موسیٰ پر عائد کیا گیا۔

کے لئے خود ایک صلح پسندی کی شان کا مظاہرہ تھا اس لئے کہ جنگ کی سواری ہر گھوڑا اور اسن واطینان کی سواری ہر ناقہ اپنے ناقہ پر سوار ہونے سے گویا دکھلایا تھا کہ میں اپنی طرف سے جنگ پر آمادہ نہیں ہوں۔ مجھے اس وقت وہ پہلا خطبہ بیان کرنا نہیں پڑا۔ اس میں رسول کی حدیثیں یاد دلائی گئیں ان روایات کی صحت پر اصحاب رسول کی گواہی حاصل کرنے کو ارشاد کیا ہر خانجہ اس میں فرمایا ہر۔ اولیس حمزہ سید الشہداء عم ابی کیا حمزہ جو سید الشہداء کے لقب سے ملقب ہیں وہ میرے ہی آپ کے چچا نہیں تھے۔ اولیس جعفر الشہید الطیارہ والجناحین عمی کیا جعفر طیارہ جنہیں قدرت نے بعد شہادت پر پرداز عطا کئے ہیں خود میرے حقیقی چچا نہ تھے۔

اولیس بنگم قولہ مستفیض فیکم ان رسول اللہ قال لی ولا شی حدیثا سید اشباب مل الجنة۔

لاحظہ ہوتا انا اعتماد سچائی پر کہ دشمن کے مجمع میں حدیث نقل کیجائے اور دل میں کہہ سکا نہ ہو کہ کوئی جھٹلا دیکھا۔ ارشاد ہوتا ہر۔

”کیا تمہیں تو اس روایت رسول کی نہیں پہونچی ہر جو حضرت نے میرے پاس میں اور میرے بھائی کے پاس میں ارشاد فرمائی تھی کہ یہ دونوں سردار ہیں جو انارن اہل جنت کے“ فان صدقتمونی بما قول وهو الحق والله ما تعقدت کذبا منذ علمت ان الله یحقت علیہ ما ھلہ ولعیرہ من اخلاقہ اگر تم تصدیق کرو میری اور ان لوگوں کو کہتا ہوں اسے تو خیر اور حقیقت یہی ہر کہ یہ جو کہتا ہوں سچ ہی

ایسے ملائم کہ خود عمر سعد کی طبیعت پر وزن پڑا اور اس کو یہ اندازہ ہوا کہ بیشک حسین ہمسار کے طالب ہیں۔ اسکے بعد آخری موقع تک جبکہ تمام حجت اپنے آخری حدود میں پہنچ چکی تھی اسوقت بھی اس جرم کو نہیں بھولے اسوقت موقع سخت ضرور تھا مگر دنیا کے حوادث سے مضطرب نہ ہوئیو الا نفس وہ اس کا کبھی لحاظ نہیں کرتا۔ وہاں حق و باطل کا تفرقہ کیا جا رہا تھا۔ وہاں صلاح اور فساد کا الگ الگ نمونہ دکھلایا جا رہا تھا۔ وہاں مفسد اور مصلح کا امتیاز دنیا کے سامنے نمایاں کیا جا رہا تھا اسوقت جبکہ عاشور کا ہنگام تھا اور بس اب کچھ دیدہ گئی تھی حق اور باطل کے اس آخری فیصلہ میں جو دنیا کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس مسئلہ کو حل کر گیا اسوقت بھی امام حسینؑ نے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا اور یہ دکھلادیا کہ جب کج ظلم و استبداد کی اتنی طغیانی ہو ایں ہیری سکیسی اور بے بسی کے عالم میں میرے بونہر کیجھ کو کوئی مفسد فی الارض ثابت نہ کر سکا تو میرے بعد کسی کو کہنے کا کیا حق ہے۔

ذرا آپ ملاحظہ تو کیجئے کہ ایک انسان ایک طرف اور ہزاروں زبانیں دوسری طرف بے شک حق میں ایسی طاقت ہونا چاہیے اور ایک انسان اپنی سچائی پر اپنے حسن علیٰ کہ اپنی صداقت پر اتنا اعتماد رکھتا ہو حسینؑ نے اسوقت جبکہ اپنا گواہ کوئی نہ تھا اور دنیا دشمن تھی دنیا سے اپنی بے رحمی کا کلمہ پڑھوالیا۔ وہ خطبہ جس کے ابتدائی فقرات کو بیان کر چکا ہوں ”اسوہ حسینی“ کے ذیل میں ”وہ خطبہ جو حضرت نے ناقہ پر سوار ہو کر پڑھا تھا اور میں نے اس مرتبہ بیان کیا تھا کہ یہ ناقہ کے ادھر سوار ہونا خطبہ پڑھنے

”کیا اتنی باتیں جو میں نے بیان کیں ان میں سے کوئی تمہارے رویے کے لئے میرے خون بہانے سے کافی نہیں ہے۔“

پھر آپ نے ارشاد فرمایا فان كنتم في شك من هذا القول فتشككون اثنا
ما اتى ابن بنت نبيكم۔

اگر تمہیں اس حدیث میں شک ہو جو میں نے تمہارے سامنے پیش کی تو اس میں بھی
کیا کوئی شک ہے کہ میں تمہارے بنی کا نواسا، تمہارے پیغمبر کی اکلوتی بی بی فاطمہ کا فرزند ہو۔
فواللہ ما بین المشرق والمغرب ابن بنت پیغمبری منکم ولا من غیرکم انا ابن
بنت نبيکم خاصة۔

دیکھئے اہم جیسے اپنی واحد خصوصیت دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں
کہ مسلمانوں کا ذکر نہیں ہے یہود، نصاریٰ، مجوس دنیا کی کوئی قوم جو کسی نبی کو مانتی ہے
اس تمام عالم کو مجموعی حیثیت سے فرض کر دو یہ دیکھو کہ دنیا میں ہر وقت کسی نبی کا کوئی
نواسا بجز میرے نہیں ہے اور پھر میں تو یہودیوں کا نہیں، نصاریوں کا نہیں،
خاص تمہارے بنی کا نواسا ہوں، اب تک یہ وہ چیزیں تھیں جو اسلامی غیرت کو برباد
کرتی ہیں اور اس کا احساس دل میں پیدا کرتی ہیں۔ اگر سینہ میں دل ہوا دل میں
انسانی ہمدردی کے جذبات لیکن اب فساد فی الارض کا الزام تھا جو مصلح کے
دہن پر گایا گیا تھا اسکے دفعیہ کے لئے فرماتے ہیں :-

اخرجوا القلوبی بقتل منکم قتلہ ادمالکم استھلکھ او

کہیں کہ میں نے کبھی یہ جانتے ہوئے کہ خدا بھوٹ کو پسند نہیں کرتا کوئی غلط بات اپنی زبان پر جاری نہیں کی ہر۔

وان کذا بتونی فان فیکم من ان سألتم عن ذلک اخبرکم رسولوا جابر بن عبد اللہ الانصاری واباسعید الخدری و یعل بن الساعی اور ید بن ارقم و انس بن مالک یخبرو کہ انھم سمعوا فی المقالہ من رسول اللہ صلی و آلیہ و سلم اگر تم میرے قول کو سچ بھی سمجھو تو بھی تم میں زندہ ہیں ایسے لوگ کہ اگر ان پر دریا کر دو وہ تمھیں تہلادینگے۔ جابر بن عبد اللہ انصاری سے پوچھ لو۔ ابوسعید خدری دریافت کر لو۔ یعل بن سعد ساعدی۔ زید بن ارقم۔ انس بن مالک ان میں کسی ایک سے تحقیق کر لو۔ وہ تمھیں تہلادینگے کہ انھوں نے خود رسالت مبارک سے میرے بارے میں اور میرے بھائی کے بارے میں یہ الفاظ سنے ہیں۔

ذرا آپ غور کیجئے کہ وفات رسولؐ سے لیکر واقعہ کربلا تک کتنا عرصہ گزرا ہے؟ پچاس برس کا طویل زمانہ سنائے سے لاکھ تک اس پچاس برس میں کتنے صحابہ جو دنیا سے اٹھ گئے۔ انسان کی عمر طبعی کے لحاظ سے یقینی ایک بہت بڑی اکثریت اصحاب نبی کی وہ بڑی جوا ٹھہر چکی ہو اور اب کم مقدار میں صحابہ موجود ہیں لیکن ان میں سے جو موجود ہیں اتنے صحابہ شاہد علیی ہیں اور ذاتی علم رکھتے ہیں حدیث رسول کا جو سننے کے بارے میں تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہو کہ روایت کے اس عظیم الشان قوتر کے درجہ کا جو اسے حاصل تھا۔ پھر ارشاد فرماتے ہیں۔ افما فی ہذا حاجز کم عن سفک حرمی

سردار تھا۔ گویا ہر ایک ان میں سے ایک نہیں تھا بلکہ ہر ایک ہزاروں کا سردار
مجموعہ کا نام تھا اس لئے ان افسروں کو بچار کر اپنے فرمایا۔ اے شبت بن ربیع
اے جابر بن محمد اے قیس بن اشعث۔ اے یزید بن عمارت کیا تم نے مجھے نہیں لکھا
تھا کہ کیتیاں لہلہا رہی ہیں۔ چشمے باڑی سے چھلک رہے ہیں۔ لشکر آپ کی اطاعت
کے لئے طیار میں تشریف لائے اور جلد آئیے۔“

”قاتلان حسین کا مذہب“ رسالہ میں میں نے تفصیل سے لکھا ہے کہ وہ خطوط
جو عموماً جامع شیعہ کی طرف سے گئے تھے ان کے مضامین دوسرے تھے لیکن خصوصاً
خط جس میں ان خاص اشخاص کے دستخط تھے جو بعد میں واقعہ کربلا میں شریک ہوئے
اور جو سب کے آخر میں بھیجا گیا تھا اس کا مضمون یہی تھا جس کا حوالہ امام نے دیا۔

ایسا ملان اشخاص کے لئے نازک تھا۔ چار آدمیوں کو بچارا جا رہا تھا کہ تم نے
مجھے کیا یہ نہیں لکھا تھا: اتنے مجمع کے سامنے گویا اس بڑے مجمع کے سامنے ان لوگوں
کی سازش کا اور منافقت کا انکشاف ہو رہا تھا اور خود انہی حکومت کے ایک طرح
کی بغاوت ان کی ثابت ہو رہی تھی۔ کیونکہ وہ لوگ کوفہ کے بڑے سربراہ اور وہ شخص
تھے اور ان کی طرف سے بڑے معزز عہدوں پر فائز تھے! انہوں نے اس موقع پر
یہ خط ہول کے رخ کو دیکھ کر لکھا تھا کہ حسین کے نام اتنے کثرت سے خطوط جا رہے ہیں
اور دعوت دی جا رہی ہے اگر کہیں حسین آگئے اور فضا ان سے موافق ہو گئی تو ہمارے
لئے بھی جگہ باقی ہے اپنے ان عہدوں پر قائم رہنے کی۔ اس لئے انہوں نے

بقصاص من جراحة .

”نما مجھے بتلاؤ میری نسبت فساد فی الارض کی کوئی مثال پیش کرو کیا کسی نے
خون ہمایا ہر جس کا مجھ سے بد لالینا چاہتے ہو یا تمھارا کچھ مال و دولت میں نے برباد
کر دیا ہر اس کا عوض منظور ہی کسی کو کوئی معمولی ساز خم بھی میں نے لگایا ہر جس کا قصاص
لیا جا رہا ہے۔ تمام لشکر کو دعوت دیجارہی تھی کہ کوئی شخص کسی جرم کا پتہ دیرے۔
کوئی گناہ ثابت کرے۔

ہو تا کوئی جرم کسی کی نگاہ میں نہ ہو اس ۳۰ ہزار کے مجمع میں کوئی زبان کھولتا۔
کیا دنیا کی کوئی مادی طاقت زبانوں کو روکنے والی تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ سچائی کی طاقت
تھی جو ہنوں پر قفل مد زبانوں پر گروہ لگائے ہوئے تھی جس کی بنا پر ایک فرد فرید
افسان اس طرح دعوت دے رہا تھا کہ کسی کو اسکے خلاف زبان کشائی کی جرأت نہیں
تھی سب خاموش تھے کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اب حضرت خصوصی حیثیت سے مخاطب ہوئے
حسب گفتگو میں یہ صورت پیش آ چکی تھی کہ جب اجتماعی صورت سے ہر کوئی کی طرف نسبت
دیکر یہ کہا گیا کہ تم نے مجھے خطوط لکھے تو مرنے کہا کہ میں تو خطوط لکھنے والوں میں
نہیں تھا۔ اس لئے اس موقع پر ان لوگوں کو مخاطب کر کے جنھوں نے خطوط
بھیجے تھے بکا را۔

یہ لوگ معمولی درجہ کے سپاہی نہ تھے۔ اگر معمولی درجہ کے سپاہی ہوتے تو انکو
اچکارنیکا کوئی جمل نہ تھا لیکن یہ لوگ وہ تھے جنھیں سے ہر ایک ہزاروں دیکھتا

یہ آخری موقع تھا کہ جس کے بعد تمام حجت کی منسوخی ختم ہو گئی جس کے بعد پھر
 آدم سے تیرا لے لگے، پھر جنگ میں کوئی موقع تاخیر کا باقی نہ رہا۔ اس کے بعد
 آپ کے اہل خانہ و سبائے ام کے ساتے کے سالک، سبائے ام کے قدم بقدم تھے یہ لکھنے
 نصیحت کی، ہر ایک نے دعوت دی۔ زہیر بن القین باہر نکلے۔ پیچھا دل کی آواز سننے
 لوہے میں ڈوبے ہوئے بکار کر کہا: یا اہل کوفہ نذائر کم من عذاب اللہ
 نذائرہ اے اہل کوفہ خدا کے عذاب سے تم کو ڈراتا ہوں، خوف خدا سے کام لو۔
 ذرا دیکھئے لب لہجہ پر غور کیجئے۔ انتقام کے جذبات کا پتہ نہیں۔ اتنے
 مظالم کے بعد۔ اتنی سختیوں کے بعد بھی ہمدردی کا پہلو ہے۔ فرماتے ہیں:-
 ان حقا علیہ لم نصیحتہ اخیه المسلم وحقہ ان اخوة وعلی
 دین واحد وملت واحدة ما لم یقع بیننا و بینکم السیف و انتم للنصیحة
 منا اهل فاذا وقع السیف انقطعت العصمة وکنا امة واحدة و انتم امة -
 دیکھو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے برادر مسلم کو خیر خواہی کے ساتھ نصیحت
 کرے اور سچا مشورہ دے اور ہم تم ابھی تک بھائی بھائی ہیں اور ایک ہی دین،
 ایک ہی ملت پر ہیں جن تک عملی طور پر تلوار ہمارے درمیان میں نہ کھینچے اُیوقت
 تک تم مستحق ہوا سبابت کے کہ ہم تم کو نصیحت کریں اور نیک صلاح دیں بے شک
 جب ہمارے ہاتھ تلوار کھینچ جائے تو اب ہمارے درمیان ہوا صلہ
 اسلامی کا رشتہ قطع ہو جائیگا۔ پھر ہم ایک فرقہ ہو گئے اور تم دوسرا فرقہ۔

یہ خط بھیجا تھا مگر یہاں سازش منکشف ہو رہی تھی۔ اب محل تھا اس کا کہ کربلا کے واقعہ کے بعد ابن زیاد کے ہاتھ سے ان لوگوں کا فیصلہ ہو جائے اور وہ خود اپنی سلطنت کی جانب سے راندہ بارگاہ قرار دے جائیں۔

اسلئے بر بنائے ضرورت اُن کو یہاں پر پوچھنا ناگزیر تھا۔ مگر بولنا بے غیرتی کے ساتھ وہ بولنا جس میں خود چہرہ کی ہوائیاں بولنے والے کے جھوٹ کی ترجمانی کر دیتی ہیں! سنوں نے کہا اور وہی کہا جو اب بھی برابر عدالتوں میں ہو کر تاراج یعنی تحریریں سے انکار کیا اور کہا کہ ہم نے اس طرح کے خطوط نہیں لکھے تھے۔ ظاہر ہے اُوقت اس کا کوئی ثبوت بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

امام نے فرمایا بسمان اللہ ملی واللہ لقد فعلتم۔
مطلب یہ تھا کہ اللہ اکبر اتنا کھلا ہوا بھی حقیقت کا انکار ہوتا ہے۔ تم نے لکھا اور یقیناً لکھا۔

اسکے بعد ارشاد کیا ایما الناس ذکھتمونی فدعونی انضرم عنکم
الی ما معنی من الارض۔

اچھا اگر تم نے نہیں لکھا نہ سہی۔ اب گو چہنی پہلی باتیں تھیں وہ مستحکم ہوئیں
وہ حدیث نہ سہی۔ وہ امتیازات نہ سہی۔ وہ خطوط نہ سہی لیکن اب بھی یہ صورت ہے
کہ اگر تم میرے کہنے کو ناپسند کرتے ہو تو مجھے واپس چلا جانے دو جہاں سے
میں آیا ہوں۔“

جا رہا ہے۔ حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کا قتل کرنے والا کوں تھا۔ یہ حجر صحابہ رسول میں سے تھے مگر ان کو قتل کر دیا گیا۔ ان کے قتل سے تمام عالم اسلامی میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی تھی چنانچہ ام المومنین عائشہ نے خود معاویہ سے کہا اما خشیت اللہ فی قتل حجرو اصحابہ "تم نے حجرو ان کے صحابہ کے قتل میں اسے خوف نہ کیا؟"

اور عبد الرحمن بن عوف نے حرت واقعہ سننا تو چھین مار مار کر روئے لگے تھے۔ حجر بن عدی آن بنز مرتبہ فقہائے صحابہ میں سے تھے جن کے افعال شرع کے احکام میں بطور سند پیش کئے جاتے تھے۔ چنانچہ محمد بن سیرین سے جب دریافت کیا گیا کہ دور کعت نماز قتل کے وقت پڑھا شرع میں وارد ہے یا نہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ صلاھا خبیثہ حجر و ما خلاص لان یہ دور کعت نماز قتل کے وقت خمیس باہر حجر ان دونوں بزرگوں نے پڑھی تھی اور یہ دونوں قاتل صحابہ ہی تھے، معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ میں ان کے افعال سے استناد کیا جاتا تھا ایسے جلیل القدر انسان کو جب قتل کیا جائے تو کیا یہ فساد کا مصداق نہ ہوگا۔

نہ ہیر بن قین کی اس تقریر کا جواب کیا تھا؟ وہی جو ہر بے جوابان دیتا ہے۔ لوگوں نے گالیاں دینا شروع کر دیں اور کہا کہ اب ان باتوں سے کام نہیں چلیگا ہم تمہیں بھی قتل کر دیں گے اور تمہارے سردار کو بھی۔ جب تک نہ کی جائے میں یہ گفتگو اندر اس کا جواب موجود ہے دنیا کے سامنے ظاہر ہے کہ مصلح

ان الله قد ابتلا ناولياكم بذنوبه نبيه محمد لن ينظر ما حسن
وانتم عاملون -

مذہب لے ہمارا اور تمہارا امتحان لیا ہے اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں
تاکہ معلوم ہو کہ تم کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔

انا نذکرکم الی نصرہم وخذلان الطاغیة عبیداقہ بن نذیر فاکتم
لات تملکون فما الا بوعمرہ لطاغما کلمہ لیملان اعینکم ویقطعنا یدکم
دارجلکم وعتیلان بکم ویرفعانکم علی جذوع النخل ویقتلکم اما تمکم فمقرکم
امثال حجر بن عدی واصحابہ وھائی بن عرثۃ واشبابہ۔

”ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں کہ ان کی امداد کرو اور کفرش اور طغی عبید اشتر بن
زبیر کا ساتھ نہ دو۔“ اب ملاحظہ ہو فساد فی الارض کے اقسام کی فہرست جو زیاد
اور اسکے بیٹے عبید اشتر کی طرف سے ردنا ہوئے ہیں : دیکھو تو ان دونوں کے
زمانہ سلطنت میں تمہارے لئے سوائے برائی کے کوئی اچھائی نہیں ہو سکتی۔
یہ لوگ تمہاری آنکھوں میں سلامیاں پھیر دیتے رہے ہیں تمہارے ہاتھ پاؤں قطع
کراتے رہے ہیں، تمہیں سولیوں پر چڑھائے جاتے رہے ہیں اور تمہارے اچھے
لوگوں کو اور حفاظ قرآن کو جیسے حجر بن عدی اور انکے ساتھی اور ہانی بن عروہ
ایسے اشخاص کو قتل کرتے رہے ہیں۔

مسئلہ واقعات کا حوالہ ہے۔ فساد کی یقینی مثالیں ہیں۔ نام لے کر بتلایا

جادو ہڑی۔ حجر بن عدی ادا انکے ساتھیوں کا قتل کرنے والا کوں تھا۔ یہ حجر صحابہ رسول میں سے تھے مگر ان کو قتل کر دیا گیا۔ انکے قتل سے تمام عالم اسلامی میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی تھی چنانچہ ام المومنین عائشہ نے خود معاویہ سے کہا اما خشیت اللہ فی قتل حجرو اصحابہ ”تم نے حجر اور ان کے اصحاب کے قتل میں غم و خوف نہ کیا؟“

اور عبد الرحمن بن عوف نے حجت واقعہ سننا تو چھین مار مار کر روئے لگے تھے۔ حجر بن عدی آن بنز مرتبہ قتلے صحابہ میں سے تھے جن کے افعال شرع کے احکام میں بطور سند پیش کئے جاتے تھے۔ چنانچہ محمد بن سیرین سے جب دریافت کیا گیا کہ دو رکعت نماز قتل کے وقت پڑھنا شرع میں وارد ہوا یا نہیں۔ تو انھوں نے کہا کہ صلاھا خبیثہ حجر و ما فاضلان یہ دو رکعت نماز قتل کے وقت غیبیہ حجر ان دونوں بزرگوں نے پڑھی تھی اور یہ دونوں کھنل صحابہ میں سے تھے، معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ میں ان کے افعال سے استناد کیا جاتا تھا ایسے جلیل القدر انسان کو جب قتل کیا جائے تو کیا یہ فاد کا مصداق نہ ہوگا۔

زہیر بن قین کی اس تفریق کا جواب کیا تھا؟ وہی جو ہر بے جوابان دیتا ہے۔ لوگوں نے گالیاں دینا شروع کر دیں اور کہا کہ اب ان باتوں سے کام نہیں چلیگا ہم تمہیں سب قتل کر دیں گے اور تمہارے سردار کو بھی۔ جب تک نہ کی تاریخ میں یہ گفتگو اور اس کا جواب موجود ہو دنیا کے سامنے ظاہر ہے کہ مصالح

ان الله قد ابتلانا وایا کرمذنبہ نبیہ محمدؐ لنیظر ما نحن
وانتم عاملون۔

”خبر لے ہمارا اور تمہارا امتحان لیا ہے اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں
”کہہ معلوم ہو کہ ہم تم کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔“

اناندو کرم الی نصرهم وخذلک ان الطاغیة عبیدہ بن نضیر فانکم
لاتدرون فما الابیوعمرہ لطاغما کلمہ لیمیلان اعیینکم ویقطعنا یدیکم
واوجلکم ویمیلان بکم ویرفعناکم علی جذع الفخل ویقتلکم اما ملککم فمکرکم
امثال حجر بن عدی عاصمہ وحاتی بن عمروۃ واثابہ۔

”ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں کہ ان کی اطاعت کرو اور سرکش اور طغیانی عبیدہ اشتر بن
زریاد کا ساتھ نہ دو۔“ اب ملاحظہ ہو فساد فی الارض کے اقسام کی فرست جو زیاد
اور اس کے بیٹے عبیدہ اشتر کی طرف سے رونما ہوئے ہیں۔ دیکھو تو ان دونوں کے
زمانہ سلطنت میں تمہارے لئے سوائے برائی کے کوئی اچھائی نہیں ہو سکتی۔
یہ لوگ تمہاری آنکھوں میں سلامیاں بھر دیتے رہے ہیں تمہارے ہاتھ پاؤں قطع
کراتے رہے ہیں، تمہیں سولیوں پر چڑھائے جاتے رہے ہیں اور تمہارے اچھے
لوگوں کو اور حفاظ قرآن کو جیسے حجر بن عدی اور ان کے ساتھی اور بانی بن عمرو
ایسے اشخاص کو قتل کرتے رہے ہیں۔

مسئلہ اوقات کا حوالہ ہے۔ فساد کی یقینی مثالیں ہیں۔ نام لے کر بتلایا

امام وقت کی مخالفت کی ہو؟
چونکہ یہ الزام صحیح نہ تھا ممکن نہیں تھا کہ مجسمہ حق امام اس پر سکوت کر کے
گویا اس کو تسلیم کر لے۔

میں نے دکھلایا کہ تیس ہزار ایک طرف اور ایک داعی حق ایک طرف اور یہ
ایک صدر المذمتی جو اتنے بڑے مجمع کے سامنے حق کو ظاہر کر رہی تھی اور ان کی
فساد کاریوں کا پتہ دے رہی تھی۔ اور اس ایک کی آواز پر ان کو جرأت نہ تھی کہ
وہ کچھ کہہ سکیں لیکن اجمالہ برعکس ہی۔ اب حسینؑ پر الزام قائم کر رہے ہیں۔
حسینؑ خاموش رہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مذکورہ بالا الفاظ کا سننا تھا
کہ امام نے فرمایا۔

یا عمر بن الخطاب اعلیٰ تعرض الناس عن مرتدا وانتم تثبتم علیہ
اما والله لتعلنن لو قد قبضت ارواحکم ومتم علی عاملکم اثنا مرق
من الدین ومن هو اولیٰ بصلیٰ الناس۔

”اے عمر بن خطاب! تو میرے خلاف لوگوں کو آمادہ کر رہا ہے؟ کیا تم میں
سے نکل گئے ہیں اور تم دین پر قائم ہو؟ اس استفہام انکاری میں ایک نیا
ہے اظہار حق کی جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موازنہ کی صورت میں قائم ہے عقلائے
عالم کے دماغوں کے سامنے اور صنفین دنیا کی نگاہوں کے آگے۔ اس طرف کا
طرز عمل اور اس طرف کا دونوں پیش ہیں اور ہمیشہ پیش رہیں گے۔ اور یہ الفاظ

کون اور مفسد کون؟

باوجودیکہ یہ امر صاف طور سے ظاہر ہو گیا کہ کس کی جانب سے اصلاح تھی اور کس کی جانب سے فساد مگر پھر بھی امام حسینؑ کے مخالف اپنے افعال کو حمایت دین کا لباس پہنانا چاہتے تھے اور اپنے عمل کو مذہب کے تحت میں بتلا رہے تھے اور اُس ہمہ تن مجسمہ دین کو۔ ہاں ہاں یہ حقیقت ہے کہ مجھے اسلام کو سمجھانے کے لئے کہ اسلام کیا ہے؟ حسینؑ کی شخصیت سے بڑھ کر حوالہ نہیں ملتا ہے۔ میں اسلام کے عملی معنی حقیقی طور پر سمجھاؤں گا تو ایک ہی شخص دنیا کی تاریخ میں پیش کرنے کیلئے لیگا جس کا نام ہے حسینؑ۔

مگر اُس کے خلاف الزام کیا ہے؟ وہ ہی جو موسیٰ کے خلاف فرعون کی طرف سے عائد کیا گیا تھا کہ وہ تمھارے دین میں تبدیلی کر رہے ہیں۔ حین کو کہا جاتا تھا کہ وہ معاذ اللہ دین سے منحرف ہو گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو تاریخ کا یہ واقعہ کہ جب جنگ جہڑ چکی ہے اور چند اصحاب شہید ہو چکے ہیں۔ اس موقع پر عمرو بن حجاج اپنی جماعت کو ترغیب تحریریں کرتا ہوا ردہ کہتا ہے۔

يا اهل الكوفة الروموا طاعتكم وجماعتكم ولا تروا لوانى قتل من مرق من الدين وخالف الامام -

”اے کوفہ کے لوگو تم اطاعت کے راستے پر قائم رہو اور اپنی جماعت سے علیحدہ نہ ہو اور کوئی شخص نہ کر دے ایسے شخص کے قتل کرنے میں جو دین سے نکل گیا ہے اور جس نے

باقی رہ گئی۔

میں واقعہ کہ ایسے الفاظ میں پیش کرنا چاہتا ہوں کہ غم انگیزی کا اثر اُس کے معانی و نتائج کی طرف سے فاضل نہ بنائے جا رہا ہوں جو کچھ میں کہتا ہوں اُسکے نتیجہ پر آپ غور کریں۔ یہ تذکرہ ہیں اُن الفاظ میں کردوں جو مصیبت کے شایان شان ہیں اور اس میں اثر غم پیدا نہ ہو تو مصیبت کی توہین ہو اور اگر مصیبت کا اثر ڈالے گا ارادہ کروں تو میرا مقصد فوت ہو جائیگا۔ ذرا اس موقع پر مجھے دشواری محسوس ہوتی ہے۔ میں تذکرہ وہ کردوں جو جلسہ دعوت کو مجلس بندے کیونکہ تذکرہ ہی ایسا ہو جو اُن ڈالے بغیر نہ سکے لیکن اگر آپ اس سے اثر لیکر جذبات غم میں متغرق ہو گئے تو جو نتیجہ میں چاہتا ہوں اُس پر غور کر نیکام عمل باقی نہ رہیگا اسلئے الفاظ دادہ استعمال کرنا چاہتا ہوں جو تذکرہ غم کو عقلی لباس میں پیش کریں۔

ہر حال وقت وہ ہو کہ مادی طاقت نے اپنی فتح کا مجسمہ ملک کے سامنے پیش کر دیا ہو مگر گویا باطل نے اپنے دل کی بٹھراں نکال لی ہو اور اپنی جان بے حق کو پست کرنے کی کوئی تدبیر اٹھا نہیں رکھی ہو مگر وہ حق ناحق ہے جو ایسے موقع پر واقعی دب جائے۔

ملاحظہ کیجئے ذرا دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نکالئے تلاش کیجئے کہ ایک کمزور مخلوق جس کا نام ہر عورت وہ اس محل میں اور ایسے نازک وقت میں اُس جادہ پر قائم رہے جس پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کھلا ہے تھے۔

کانوں میں بار بار گونجنے لگے :- اخن مر قنا فانتم قبتہ علیہ " کیا ہم دین کو
کھل گئے اور تم دین پر قائم ہو۔ پھر فرماتے ہیں -

اس کا پتہ تم کو اس وقت چلیگا جب تمہاری رو میں ان کی جبروں سے
جدا ہونگی اور انہی اعمال کے اوپر تم دنیا سے روانہ ہو گے۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ
ہم ہیں سے کون دین سے نکلا تھا اور کون آتش جہنم میں جلنے کا دائمی حقدار ہے؟
بے شک حسین کا قتل مذہب کے نام پر ہو رہا تھا۔ مذہب کے پردہ میں ہو رہا تھا
اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ حقوق سائبہ کے جاتے جو ایک مسلمان کو شریعت کی طرف
سے مائل ہیں مجھے مصیبت کے تذکرہ کی عادت نہیں کہ میں ان الفاظ میں نہیں
کہنا چاہتا جو اس جلسہ عظیم کو مجلس مصائب بنادیں مگر اپنا مطلب مجھ ابھی منووی
ہو۔ میرا مطلب یہ کہ کچھ حقوق وہ ہیں جو اسلام نے ہر مسلمان کے لئے فراہم کیے ہیں
لیکن حسین کے لئے ان حقوق کو نظر انداز کر دیا گیا۔

اب سنئے موقع نازک سے نازک تر ہوتا جاتا ہے۔ حق اور باطل کا فیصلہ ہو چکا
اور اب وہ وقت ہو کہ داعی حق کے باقیات الصالحات مرکز فساد میں لائے گئے
ہیں۔ داعی حق کے باقیات الصالحات یعنی الجہم مرکز فساد یعنی ابن زیاد کا پاؤں
اپنے خیال میں فتح حاصل کرنے والا سرکش انسان فتح و ظفر کے نشہ میں غرور کیا تھا
تحتِ شہنشاہی اور اپنی فتح کے مظاہرہ کا انتہائی نمایاں نقشہ پیش کر رہا تھا کہ کوئی
کہہ سکتا تھا سوقت حق کی پامالی میں کوئی کمی اور باطل کی فتح میں کمی کی گس

بڑی سیاسی غلطی تھی۔ اہلبیت کو یوں لیجانا ایک جگہ سے دوسری جگہ۔ یہ صرت
 جذبات نفسی اور مادی فتح کے نشہ میں کام ہوا ہے اور اس کا مظاہرہ کیا گیا ہے
 لیکن سیاست کے اعتبار سے یہ بہت بڑی غلطی تھی کیونکہ اس طرح درحقیقت حسینؑ
 کی خاموش زبان کو گویا کر دیا۔ ورنہ اہلبیت حسینؑ لاکھ جاتے اُن کو نشر و
 اشاعت کا موقع کہاں ملتا اگر دشمن خود ذریعہ بن گئے اس مقصد میں کیا میاں کا
 آپ ملاحظہ کیجئے کہ وہ مقامات وہ جگہیں جہاں تمام کیا گیا تھا۔ اس کے
 پہلے حق کی پردہ داری کا وہاں واقعات کا انکشاف کس طرح ہوا۔ اگر نہوتا
 جو کچھ کیا گیا تو یہ نتیجہ کیونکر برآمد ہوتا۔ ان مقامات پر ظلم اور مظلوم کا نقشہ
 کیونکر پیش ہوتا۔

وہ سب پہلا موقع عبرت۔ ابن زیاد کا دربار۔ بیشک حکم اسلامی جو
 عورت کیلئے پردے کے متعلق ہے رہنمائے اسلام کے ذمہ دار افراد بہر حال اچھا ننگ
 اپنے سے متعلق ہے اپنے طرز عمل سے غالباً ہے خود آگاہ اس کا اہتمام بہر وقت نظر
 تھا اسلئے یہاں یہ جو کہ لبست نہینا بنتہ فاطمہ داخل تھا عجاوینت
 وحف ہا اماؤھا۔

ظاہر ہے کہ اہلبیت بہت قیمتی کپڑے کبھی بھی نہیں پہنتے تھے مگر اس
 موقع پر جانبِ نریبے وہ عام کپڑے کہ جیسے پ پنا کرتی تھیں اُن کو بھی نہینا تھا
 بلکہ بہت سبب اور معمولی درجہ کے کپڑے اپنے پہنتے تھے اور لباس میں بالکل تبدیلی

یعنی اگر فساد فی الارض کا الزام نکھایا جانے لگے تو اسے دفع کرنے والے دین سے
انحراف ثابت کیلئے لگے تو اسے رد کر دے۔

میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ بہت سی واقعات پر دنیا حیران ہوتی ہے اور ان کا
ہر انسان کی سمجھ میں نہیں آتا جو خصوصاً بڑے لوگوں کے افعال کو دیکھ کر ایسے ہوتے ہیں
اگر عام افراد کے دماغ ان مصلحت کی طرف تک ہمیشہ پہنچ جاتا کہ اس کو تو بڑے لوگ
بڑے اور چھوٹے چھوٹے کیسے سمجھے جائیں۔

دنیا حیران ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ جسے اتنا بڑا مقصد حاصل کرنا ہو
جو حسین کے پیش نظر تھا یعنی جسے مادی طاقت کو ہمیشہ کے لئے پامال بنانا ہو
اور روحانی طاقت کو قائم کرنا ہو وہ اپنے ساتھ ایسے افراد کو لیکر آئے جن کو ایسے
محل نہیں لانا چاہیے یعنی عورتیں اور بچے مگر میں سچ کہتا ہوں کہ مسلک شیعہ
جہاد اور نوعیت شہادت بدل جائی اگر اہل حرم کا ساتھ نہوتا۔

آپ نے دیکھا کہ امام حسن زہر سے شہید کئے گئے مگر اس وقت تک مسئلہ
مشتبہ پھر کر ملک کے بلے آپ گیا میدان میں ستر ہتر آدمی جو قتل ہو جاتے۔
کوئی بتائے فالما کہاں ہوتا کہ ان کا مسلک اور طرز عمل کیا تھا۔

اب تو قاتل افراد کی زبانیں ہوتیں اور مقتولین کے جرائم کی فہرست اور
ادھر سے کوئی جواب نہ دے والا ہی نہوتا۔

بہر حال صورت حال اس طرح سے تھی میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ایک

بڑی سیاسی غلطی تھی اہلبیت کو یوں لیجانا ایک جگہ سے دوسری جگہ یہ صرٹ
 جذبات نفسی اور مادی فتح کے نشہ میں کام ہوا ہے اور اس کا مظاہرہ کیا گیا ہے
 لیکن سیاست کے اعتبار سے یہ بہت بڑی غلطی تھی کیونکہ اس طرح درحقیقت حسینؑ
 کی خاموش زبان کو گویا کر دیا۔ ورنہ اہلبیت حسینؑ لاکھ جانتے اُن کو نشر و
 اشاعت کا موقع کہاں ملتا اور دشمن خود ذریعہ بن گئے اس مقصد میں کیا میابی کا
 آپ ملاحظہ کیجئے کہ وہ مقامات وہ جگہیں جہاں تمام کیا گیا تھا اس کے
 پہلے حق کی پردہ داری کا وہاں واقعات کا انکشاف کس طرح ہوا اگر نہوتا
 جو کچھ کیا گیا تو یہ نتیجہ کیونکر برآمد ہوتا۔ ان مقامات پر ظالم اور مظلوم کا نقشہ
 کیونکر پیش ہوتا۔

وہ سب سے پہلا موقع عہدت۔ ابن زیاد کا دربار۔ بیشک وہ حکم اسلامی جو
 عورت کیلئے پردے کے متعلق ہے رہنمائے اسلام کے ذمہ دار افراد ہر حال اہماتک
 اپنے سے متعلق ہے اپنے طرز عمل سے وابستہ ہے خود ان کو اس کا اہتمام بہر وقت و نظر
 تھا اسلئے یہاں یہ سچ کہ لبست نہ دینا بنتہ فاطمہ داخل تھا بافتلات
 وحفت ہوا ماؤھا۔

ظاہر ہے کہ اہلبیت بہت قیمتی کپڑے کبھی بھی نہیں پہنتے تھے مگر اس
 موقع پر جناب نبیؐ نے وہ عام کپڑے کہ جیسے آپ پہنا کرتی تھیں ان کو بھی پہنا دیا
 بلکہ بہت سست اور معمولی درجہ کے کپڑے اپنے پہنتے تھے اور لباس میں بالکل تبدیلی

یعنی اگر فساد فی الارض کا الزام لگایا جائے تو اسے دفع کر دے۔ مگر دین سے
انحراف ثابت کیلئے لگے تو اسے رد کر دے۔

میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ بہت سی واقعات پر دنیا حیران ہوتی ہے اور ان کا
دراز انسان کی سمجھ میں نہیں آتا جو خصوصاً بڑے لوگوں کے افعال اکثر ایسے ہوتے ہیں
اگر عام افراد کے دماغ ان مصلح کی تہ تک ہمیشہ پہنچ جائے تو بڑے لوگ
بڑے اور چھوٹے چھوٹے کیسے سمجھے جائیں۔

دنیا حیران ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ جسے اتنا بڑا مقصد حاصل کرنا ہو
جو حسین کے پیش نظر تھا یعنی جسے مادی طاقت کو ہمیشہ کے لئے پامال بنانا ہو
اور روحانی طاقت کو قائم کرنا ہو وہ اپنے ساتھ ایسے افراد کو لیکر آئے جن کو ایسے
محل نہیں لانا چاہیے یعنی عورتیں اندر بچے مگر میں سچ کہتا ہوں کہ مسلک شیعہ
جاتا اور نوعیت شہادت بدل جائی اگر اہل حرم کا ساتھ نہوتا۔

آپ نے دیکھا کہ امام حسن زہر سے شہید کئے گئے مگر اس وقت تک یہ مسئلہ
مشتبہ ہے پھر کہ ملک کے بے لگائی گیا میدان میں شہر بہتر آدمی جو قتل ہو جاتے۔
کوئی بتائے والا کہاں ہوتا کہ ان کا مسلک اور طرز عمل کیا تھا۔

اب تو قاتل افراد کی زبانیں ہوتیں اور مقتولین کے جرائم کی فہرست اور
ادھر سے کوئی جواب نہ ملتا۔

بہر حال صورت حال اب اس حد تک تھی میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ایک

اسے پہلے کہہ کر بڑے کا خیال مستور کر دیا گیا۔ اس سال اسلام سوال سے
 اسے جناب زینبؓ کا پیشکش نہیں رہی۔ اب اگر خاموش رہیں تو حق پر دھبہ آسکتا ہے۔ ذرا
 اقتدار نفس دیکھئے، عورت دیکھئے، بلندی نفس ملاحظہ کیجئے، عظمت کا اندازہ کیجئے یہ جہانی
 پستی ایک چیز ہے اور نفس کا بلند ہونا دوسری چیز۔ یہ تاریخ طبری جو جس میں لکھا ہے کہ
 جناب نے یہ فرمایا۔

الحمد لله الذی کوننا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطہرنا تطہیرا
 لکما نقول ما فیضی الفاسق ویکذبنا لجاجہ۔

”محمدؐ جو اس خدا کے لئے جس نے ہم کو عزت دی محمد مصطفیٰؐ کے ساتھ اور خود میں
 پاک پاکیزہ قرار دیا اس طرح جو حق پر پاکیزہ قرار دینے کا۔ نہ کہ جو تو کہتا ہو دیکھئے یا دیکھئے
 وہ فرعون کی طرح الزام ہوئی ہے کہ تم مفسد ہو اور موسیٰؑ کا اسکے جواب میں یہ کہنے کے بجائے کہ
 نہیں مفسد تم ہو ایک صولی جواب دینا کہ مفسد وہ ہو گا جس کا دعویٰ باطل ہو جائے بالکل
 اسی شان سے یزید کا یہ کہنا کہ خدا نے تم کو رسوا کیا اور تمہارا جھوٹ ظاہر کیا۔ اس کا
 جواب یہ دیا جاتا کہ رسوا ہو گئے تم اور جھوٹ ظاہر ہو گا تمہارا اگر اس میں بالکل جذبہ
 انتقام ظاہر ہوتا ہے جواب یا جناب نے صولی جواب کلیہ کے طور پر جواب معلوم
 ہوتا کہ دراصل دل کی بھر اس کا نشانہ نہیں ہے۔ یہ مردوں کا ذکر نہیں ہے بلکہ
 ہے جس میں جذبات کی فراوانی ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

”رسوا تو وہ ہوتا ہے جو فاسق ہو اور جھوٹ اس کا ظاہر ہوتا ہے جو ناجائز ہو۔

کر لی تھی اور نیز دل نے گرد آگے حلقہ باندھ لیا تھا۔
 یہ ایک عنوان تھا پردہ کا جسے آپ نے اُس وقت اختیار کیا تھا لیکن جب
 آپ کو بیٹھیں تو عبید اسد بن زیاد نے کہا یہ بیٹھے والی عورت کون ہے؟ آپ نے
 کچھ جواب نہیں دیا۔ ابھی تک پردہ کا خیال ہے۔ تین مرتبہ اُس نے دریافت کیا
 آخر کسی نے بتلادیا کہ یہ زینب فخر حضرت فاطمہ ہیں۔ اب ابن زیاد توجہ ہوا
 اور کہا الحمد للہ الذی فضلكم وقتلکم واكذب حد وثلكم "شکر ہو خدا کا
 جس نے تم کو رسوا کیا اور تمہیں قتل کیا۔ اب اسکے بعد وہ چیز ہے جو حق اور باطل
 کو مستتبہ کرتی ہے وہ یہ فقرہ ہے کہ جھوٹ کھلا دیا تم لوگوں کا۔ پہلے دو فقروں کے
 اوپر جانبِ نبی خاموش رہیں۔ اور اب بھی خاموش رہیں اسلئے کہ وہ مغرور ابن
 زیاد کا اپنے طرزِ عمل پر اظہارِ مسرت تھا اور موجودہ صورتِ حال جیسے وہ اہلبیت
 کی رسوائی کے تعبیر کر رہا تھا اُس میں شبہ نہ ہی کیا تھا اور اُس پر اُسے خوش ہو نیکا
 موقع بھی حاصل تھا اگر تیسرے فقرہ کے اد پر جانبِ نبی کو سکوت کرنا دنا تھا۔
 کذب اور اکذب میں فرق ہے کہ کذب کے معنی ہیں کسی کو جھٹلانا چاہے حقیقت وہ سچ ہی
 کیوں نہ ہو اور اکذب کے معنی ہیں جھوٹ کا دکھلا دینا۔ اُس نے اکذب کی لفظ
 استعمال کی ہے جس کے معنی یہی ہوئے کہ خدا نے تم لوگوں کی باتوں کا جھوٹ کھلا دیا۔
 "تم لوگوں کی باتیں" یہ فقرہ بڑا وسیع ہے۔ اس میں حادثاتِ قرآن کے
 تعلیلاتِ وحی کے تذکرے سب ہی آجاتے ہیں۔

سزا دیجاتی ہے؟ عورت کی کسی بات کی سزا ہے اور نہ کسی غلطی پر اسے ملامت کی جاسکتی ہے۔
مگر ابن زیاد کا دل نہیں مانتا اس کے دل کو شکست کا احساس ہے جس کی وجہ سے تسکین
نہیں ہوتی۔ پھر اس نے جنابِ نبی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

قد اشفی الله نفسی من طاغیتک والعصاة المردحة من اهل بیتک۔
”خدا نے میرے دل کی مراد پوری کر دی تمہارے سرکش بھائی اور تمہارے گھرانے کے
دو بکرا نافرمان اور باغی ناشتخا ص سے۔“

یہ فسادی الاض کا الزام ہے۔ طخیان اور سرشی اور مردود عصیاں کا حملہ ہے۔
لیکن استدلالی بات کوئی بھی نہیں دل کو ایک چوٹ لگانا تھی وہ لگی اور جنابِ نبی کی
آنکھوں سے آنسو نکل آئے مگر انھوں نے جواب دیا۔

لعمری لقد قتلت کھلی فابنت اہلی و قطعت فرعی واجتثت صلی
فان یشفاک هذا فقد اشتقتک۔ ”ہاں بے شک تو نے میرے جوانوں کو قتل
کر ڈالا۔ میرے عزیزوں کا خاتمہ کر دیا میری شاخوں کو کاٹ ڈالا اور میری جڑ کو کھا کھا کر
پھینک دیا۔ اگر تیری مراد اس سے بگاڑی ہے تو بے شک اس سے خوش ہو لے۔“

شکست اور پھر شکست۔ ابن زیاد نے کہا اھذا سجاۃ قد لعمری کان ابواک
شاعرا مجاعا یہ بڑی قافیہ باز عورت ہے اور تمہارے باپ بھی تو زینب عرواقافیہ باز تھی
یہ فصاحت و بلاغت کا اعتراف ہے جو اس صورت میں کیا جا رہا ہے۔ جنابِ نبی نے
پھر سکوت نہیں کیا فرمایا۔

اب یہ کوئی بھی ہو۔

اگر غیرت ہوتی تو ابن زیاد کو منفعل ہونا چاہیے تھا مگر وہاں قتارہ کا نشہ اور سلطنت کا غرور تھا خواہ خواہ اسے خباثت نیکے دل دکھانے کا خیال پیدا ہوا اور کنگہ فلیک فریٹ صنع اللہ باہل بیتا۔ اچھا تو نے دیکھا خدائے تمہارے گھرانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس طنزیہ فقرہ کے اثر کو کسی عورت کے دل سے پونجھے اور اسکے بعد خباثت نیک کا اطمینانی جواب دیکھئے فرمایا۔

کتب علیہم القتل فی ذوالی مضاجعہم وسیجمع اللہ بیتک وبنیہم
فتتاجون الیہ وتھامون عنہا۔

”کیا سلوک کیا خدائے ؟! انکے لئے یہ صورت ہونے والی تھی کہ وہ قتل ہوں اس بنا پر وہ اپنے ابدی خواہگاہوں کی جانب پیریں سے گئے اور عنقریب بے اتیرا اور انکا سامنا کر گیا تو وہاں محبت تمام ہو جائیگی اور یہ مسئلہ طے پا جائیگا۔“

بس شکست کی علامت ہر غصہ نا۔ دو مناظرہ کرنے والوں میں جو وقت گفتگو کر رہے ہوں ایک کو غصہ جائے تو سمجھنا چاہیے شکست خوردہ وہی ہے۔ ابن زیاد کو غصہ لگایا اور غضبناک ہو گیا اور معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ارادہ کیا جس کی بنا پر عربین عیش نے کہا:- صلح اللہ لامیرانا ماحی مرأۃ وھل توأخذ المرأۃ بشئ من منطقتھا
انما لا توأخذ بقول ولا تلام علی خطئ۔

”میرے عورت ہیں اور کہیں عورت کی بھی بات کی گرفت کی جاتی ہے اور اس کی

ابن نبراہا۔

مطلبت تھا کہ قلیل دنہار عالمکان میں رہتا ہی ہو کسی کی فتح کسی کی شکست
اس کو دلیل حقیقت نہیں سمجھنا چاہیے۔ یزید کو فتح کی ترنگ جب اور بڑھی تو وہ دوسرے
لوگوں کی طرف متوجہ ہوا۔ دیکھے اب نہ ہی شان و شوکت کے علاوہ سلطنت ملک
کے غرور کا مظاہرہ ہو۔ وہ کہتا ہے۔

اندر من ابن ابی ہذا قال بی علی خیر من ابیہ وامی فاطمہ خیر من

امہ وجدی رسول اللہ خیر من جتہ وانا خیر منہ وحق جتہ الامرنہ۔

”مجموعہ لوگ جانتے ہو ان پر یہ مصیبت کیوں آئی؟ حسین کی دلیلیں ہیں اور

انکے خصوصیات ہیں جو دشمن کی زبان پر گہرے ہیں وہ کہتا ہے کہ ”ان کا قول تھا کہ

میرے باپ (علی) اس کے یعنی یزید کے باپ سے بہتر اور میری ماں اسکی ماں سے بہتر

اور میرے نانا اس کے نانا سے بہتر اور میں خود اس سے بہتر ہوں اور خلافت کا اس

زیادہ مستحق ہوں۔“

اب جواب سنئے: فاما قولہ ابوہ خیر من ابی فقد حاج ابی باہ وعلم

الناس انی ما حکم لہ واما قولہ امی خیر من امہ فلعمری فاطمہ انبأ

رسول اللہ خیر من امی واما قولہ جدی خیر من جتہ فلعمری ما احد یومئذ

باللہ الیوم الاخر یری لرسول اللہ فینا عدلا ولا ندہ اولکنتہ اما ان من قبل

فقدہ ولم یقرأ قل اللهم مالک المملک تقوی المملک من تشاء وتزع

مال المرأة والجماعة ان لعن السجاعة لشغلا ولكن نفق ما اقول -

بھلا عورت کو قافیہ بندی اور شاعری سے کیا تعلق اور پھر میں تو اس عالم میں ہوں کہ مجھے قافیہ بندی کا ہوش کہاں لیکن ضمیر کی آواز بتی جو میرے دہن سے نکل گئی ہے ابن زیاد کا دربار تھا۔ اب ذرا موقع کی مریدیت بڑھتی رہی۔ جتنا فرق ابن زیاد اور یزید کی شان و شوکت میں ہر آشی ہی موقع کے اعتبار سے مادی سطوت و شوکت کی ترقی بھی ہو گئی۔ یہ یزید کا دربار ہے۔ عالم اسلامی کا اس وقت کا شہنشاہ تخت حکومت پر ہے۔ وہاں بھی اسی طرح کی صورت پیش آئی ہے۔ جاذبِ نیلے اس موقع پر جو تقریر کی ہو اس کا تذکرہ اس محل پر نہیں کرنا چاہتا لیکن یہاں امام زین العابدینؑ سے یزید نے جو گفتگو کی ہو اسے پیش کر کے دکھلانا چاہتا ہوں کہ امام حسینؑ کا تمہید کرنا کن خیالات کے تحت تھا۔ الزام یزید کی طرف سے وہی فساد فی الارض کا عائد کیا جا رہا ہے۔ وہ کہتا ہے
يا علي اولاك الذي قطع رحمي وجعل حقي ونازعي سلطاني فصنع الله به ما قدر آیت -

”اے علی بن حسین تمھارے باپ نے میری قربابت داری کے رشتہ کو قطع کیا اور میرا حقوق کو نظر انداز کیا اور میری سلطنت میں منازعت کی تو خدا نے اُن کے ساتھ وہ سلوک کیا جو تم دیکھ رہے ہو۔“

امام نے اس کے جواب میں صرف قرآن کی یہ آیت پڑھ دی -

ما اصاب من مصيبة في الارض ولا في النفس الا في كتاب من قبل

طاقت سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔ چاہے وہ جنگیر ہو چاہے ہلاکو۔ اور چاہے دنیا کا کوئی اور انتہائی ظالم بادشاہ۔

لیکن کیا یہ واقعی معیار حقیقت ہے؟ اور کیا حقیقت اس کے آگے صداقت و انصاف اور ضمیر کی جانب سے تسلیم خم کیا جاسکتا ہے؟

آپ نے دیکھے وہ تمام الزامات جو عائد کئے گئے اور اس طرح مصلح کے اوپر مفسد ہو نیکا جرم عائد کیا گیا۔ حسین دین سے خارج ٹھہرائے گئے لیکن فتح کس کی ہوئی اور شکست کس کو نصیب ہوئی۔ اسکے لئے عالم اسلامی کو دیکھ لیجئے۔

ہزاروں اخلاعات سہی اور کثیر التعداد فرتے دنیا میں موجود سہی لیکن جہان تک کہ حسین کا تعلق ہے ان میں فراق نہیں ہے۔

تاریخی حیثیت سے لوگ یزید کی حمایت کی کوشش کریں کہ قتل حسین میں یزید کی شرکت نہیں تھی یہ اور بات ہے مگر یہ کہ جس نے حسین کو قتل کیا وہ مجرم سب کے نزدیک

دنیا کے تمام مسلمان بہر حال اہلبیت کی محبت میں شریک ہیں! اہلبیت بنی مخصوص شیعوں کے بنی کے اہلبیت نہیں ہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے بنی کے اہلبیت ہیں اور تمام

مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ حسین کے قاتل مجرم ہیں۔ گنہگار ہیں۔ اس بات پر تمام عالم اسلامی متفق ہے۔ اس سے میں کچھ نتیجہ مکانا چاہ رہا ہوں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں

کہ اس وقت کتنے ہی مسلمانوں کے اندر فرتے ہوئے در دینی اخلاعات ہوں لیکن وہ دین فناء ہو گیا جس سے خارج ہو نیکا الزام حسین پر تھا اور جس کے بیروان کے قاتل

الملك ممن تشاء وتغوز من تشاء وتذل من تشاء بيد الخيرة انما فعل كل
شيء قدير -

وہ ان کا یہ کہنا کہ میرے باپ اس کے باپ سے بہتر تو یہ تو اس سے ظاہر ہو کر میرے
باپ و ان کے باپ کے درمیان جھگڑا ہوا اور دنیا کو معلوم ہے کہ کس کے موافق فیصلہ ہوا -
اس پر اس فریج کا راز مازنی تحکیم کی طرف اشارہ ہو لیکن دنیا کو معلوم ہو کہ اس کے متوجہ کو
کسی فریق نے بھی تسلیم نہیں کیا اور وہ ایک بازو بچہ طفلانہ سے زیادہ دقیق نہیں سمجھا
وہ گویا یہ ان کا کہنا کہ انکی ماں میری ماں سے بہتر تو اس میں کوئی شبہ نہیں
کہ رسول کی بیٹی فاطمہ میری ماں سے بہتر تھیں اور یہ کہنا بھی کہ ان کے نانا میرے
نانا سے بہتر - یہ بھی یقینی ہے اس لئے کہ شخص خدا اور روز جزا پر ایماں رکھتا ہو -
وہ ہرگز رسول کا مد مقابل کسی دوسرے کو نہیں سمجھ سکتا - وہ گویا خدا کا علی اور فقی
تجتر وہ بھی بالکل ٹھیک لیکن اسی نے ان کو یہ روز بد کھلایا - انھوں نے گویا قرآن کی
یہ آیت نہیں دیکھی تھی کہ سلطنت کا ملاضہ اہر جسے چاہتا ہے - دیتا ہے اور جس سے
چاہتا ہے چھینتا ہے اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل
کر تاہی - اور وہ ہر قسم پر قادر ہے -

دیکھا اپنے صفات کی جنگ میں یزید کی شکست اور علی ہونی شکست -
پھر کیا ایما آخر میں - وہی کہ یہ تو سلطنت ہے جس کے پاس ہو بچے بس اس کا حق
اس دلیل کی بنا پر دنیا کے کسی بادشاہ کو ظالم، نا انصاف اور قابل نفیرین و

لیکن یہ حقیقت رکھ رہی ہے جو اس دامن کا ذریعہ تھی اور جس کے ذریعہ سے نظام دنیا کو درست ہونا چاہیے تھا وہ دنیا میں ایسے فسادات کا پیش خیمہ قرار پائی اور اس کے ذریعے سے عالم میں اس طرح انسانیت کو بال بال کیا گیا اور ان تمام صفات کو جو قلع بشری کے لئے ضروری تھے اور عام انسانی مفاد کے لئے لازمی تھے ایک ایک کر کے اس طرح مٹا گیا کہ اب یہ جھنڈا دراصل مشکل ہو کر حقیقتہً سلطنت ذریعہ ہر اصلاح عالم کا یا فساد عالم کا۔

بات یہ کہ کہ بادشاہان دنیا کا ادھر تو دنیا کی مادی طاقتوں پر قبضہ اور جاہ و حشمت، شان و شوکت کا غلبہ یعنی تمام ان چیزوں کا جو ایک انسان کے مطالبات میں گرنیکا ذریعہ ہوتی ہیں انکے ہاتھ میں ہونا اور سب اس پر ہوا اور ہوس۔ اغراض شخصی اور مقاصد ذاتی۔ جذبہ انتقام اور بد نفسی و خصومت اور مقاصد میں کامیابی حاصل ہونے کے ساتھ دل کا بڑھنا اور دلولہ و ہمت میں اضافہ ہونا۔ کیونکہ انسان جتنا جتنا کامیاب ہوتا ہے اتنے ہی اس کے توقعات بڑھتے جاتے ہیں۔ جانے دیجئے ان بادشاہان عالم کے خیالات کو جو ان کے ذہن میں گردش کیا کرتے ہیں اسلئے سلطنت ہمارے پاس اور نہ ہم ان خیالات کے آشنا اسلئے ان تخیلات پر ہم کو حکم لگانے کا حق بھی نہیں لیکن میں اس کا اندازہ دینکے ان چھوٹے چھوٹے اور بالکل مختصر ترین مقاصد کے اعتبار سے عام متوسط درجہ انسانوں کے لحاظ سے کرتا ہوں جو درجہ ہمارے سامنے نظر آتے ہیں۔ انسان ہمیشہ انہی عمر کے محدود ہونے کی بنا پر اپنی مقاصد

تھے اور وہی دین باقی جو جس کے حنین علمبردار تھے۔ وہ دین باقی ہوا اور حسینؑ باقی ہیں اور
قیامت تک باقی رہیں گے۔

یہ شان ہر حق کے فتح اور باطل کی شکست کی جو ہمیشہ نمایاں رہیگی۔

سلطنت کی طاقت کا فساد فی الارض میں متعمد

سلطنت و حکومت کی بنیاد اصل میں نظام عالم کے درست کرنے پر تھی اس کا
مقصد تھا کہ دنیا سے فتنہ و فساد کو مٹا دیا جائے اور امن و امان کو قائم کیا جائے
مظلوم اور ظالم میں انصاف و داد خواہی کے حدود مقرر ہوں اور زبردستیوں کی
زبردستیاں، سرکشوں کی سرکشیاں ختم ہوں۔ ان مقاصد کے لئے حکومت و
سلطنت کی بنیاد پڑی۔

چونکہ افراد انسانی معاشرت باہمی میں محتاج تھے اجتماع کے اور اس اجتماع
کے لئے ضرورت تھی ایسے قوانین کی جسکے سب پابند ہوں اور ان قوانین کو ضرورت
تھی ادا کی طاقت کی جو انہیں لوگوں سے منواسکے۔ اسلئے تخیل پیدا ہوا کہ ایک
بادشاہ کی ضرورت ہے جو قانون پر عمل کراسکے اور دنیا کے نظام کو ایک منظم صورت پر
مرتب کرسکے اور چونکہ سلطنت و حکومت کا مفاد تھا اصلاح عالم اور امن و امان کا
قائم کرنا۔ اس لئے دنیا کے تمدنی قوانین میں بادشاہ کی مخالفت اور بغاوت
امن عامہ کے خلاف سمجھی گئی۔

کے رسبادی حیثیت رکھتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ گداہر اور درہ بادشاہ۔ یہ مزدور ہر اور درہ کو دیتی انسان لیکن کیفیات وجدانی و نفسانی کے لحاظ سے اُن کی زندگی میں اتنا تفرقہ نہیں ہے۔ جتنا اُن کی ظاہری حیثیتوں میں ہے۔

ایک مزدور کہ جس کو دن بھر کی محنت میں پانچ چھائے پیسے ملجا کرتے ہیں اُسے اتفاق سے راہ چلتے ہیں ایک دوسرے پُرا ہوا ملجائے جسے وہ اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لے تو میں سچ کہتا ہوں کہ اُسے اتنی ہی مسرت حاصل ہوتی ہے جتنی ایک بادشاہ کو ایک ملک فتح کرنے کے بعد۔ اور یہی انسان، اگر اُسے کسی دن بیٹ بھرنے کے لئے مزدوری نہ ملے یا مزدوری کے پیسے اُس کی جیب سے گر پڑیں اور وہ خالی ہاتھ گھر واپس آئے تو اُسے اتنا ہی غم ہوتا ہے جتنا ایک بادشاہ کو اپنے غنیم کے غلبہ پانے اور ملک کے قبضہ سے کھلانے سے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ اس بادشاہ کے لحاظ سے اُس ملک کی نسبت ہی ہے جو اس فقیر کے لئے اس کی محنت و مزدوری کے تقوڑے سے میسوں کی ماوراس لئے اگر اس فقیر کا دل ان میسوں میں بھر جائے اسی طرح کہ پھر اس سے زیادہ کا طالب ہو تو اُس بادشاہ کا دل اُس سلطنت میں بھر سکتا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ دیکھنے میں وہ سلطنت ہے لیکن وہ اُس کے لئے عین احتیاج ہے۔ ہم جسے ایک بڑی مملکت سمجھتے ہیں وہ اُس کی آنکھوں میں ایک حقیر شے ہے۔

۱۔ قبایک کرنا ہر۔ ایک انسان سے پوچھئے کہ تمہاری اس دنیا میں کیا تمنا ہے تو وہ اپنی
 تمناؤں اور آرزوؤں کی فہرست کو چند باتوں میں ختم کر دینگا لیکن وہی مقاصد اس کے
 جب پورے ہو جائینگے تو پھر یہ نہیں ہوگا کہ اب اس کے مقاصد ختم ہو جائیں اور اس کے
 توقعات فنا ہو جائیں۔ بلکہ اب بھی جو پوچھئے گا تو وہ کہیگا کہ میری اب یہ آرزو ہے
 یہاں تک کہ وہ لوگ جن کی عمریں کافی ہو جاتی ہیں ان کو بھی دیکھئے تو یہی سنئے گا کہتے ہوئے
 کہ دنیا میں بہت کچھ کیا، بہت مقصد حاصل کئے۔ اب کوئی آرزو نہیں ہے۔ بس بات
 ہو جائے تو پھر دنیا میں ہمارے لئے ہوس نہیں ہے۔ غرض یہ ایک بات کا سلسلہ ہمیشہ
 قائم رہیگا اس کو اپنے نیا کے ہر شعبہ میں سمجھ لیجئے طرح طرح کی سرتی جو انسان کو
 حاصل ہوتی ہیں ان کی یہی کیفیت ہے۔ ایک وقت میں جو چیز نقطہ آخر مقصد انسانی کا
 قرار پاتی ہے وہ اس کے وقت وہی سبب انجائی ہے اس کے تو جہات کھیلے فرض کھجئے
 کوئی شخص علم کا طالب ہے کوئی شخص دولت کا کوئی نام و نمود کا۔ کوئی جاہ و عزت کا۔
 کوئی سلطنت کا طالب ہے اور ہر ایک کے حدود طلب جتنے زیر قدم کئے جاتے ہیں اتنا ہی
 پائے شوق آگے بڑھتا ہے اور اس طرح یہ نہ سمجھئے کہ ایک بادشاہ سلطنت کا مالک
 ہو گیا ہے تو اب اس کا دل بھر گیا ہے بلکہ وہ فقیر جو ان شعبہ کا محتاج ہے جتنی طلب اس کا اپنے پیٹ پر
 کھانا مل جائیگی ہر اتنی تمنا اس بادشاہ کو ملے گی کہ ایک ملک ایک صوبہ ایک شہر کی ہر طاقت اس کے حوالہ دے جائے
 ہے۔ اسی اعتبار سے میرا قول ہے کہ دنیا میں باعتبار ظاہری حیثیتوں کے اور سامان زندگی
 کے اگرچہ افراد کے درمیان میں انتہائی تفرقہ پایا جاتا ہے لیکن باعتبار مشترکات

طاقتور ایک ہی ہوا اور سب کے ذریعہ طاقتور سب کو فائز کرے اور خود ہی برسرِ اقتدار ہو جائے
لیکن نظامِ عالم میں اکثر طاقتیں لڑتی بٹھرتی اور ایک دوسرے سے لگ بھگ ہوتی ہیں
اور ہر ایک کے جذبات ہوا و ہوس ایک ہی طرح کے اس طرح یہ پورے دنیا ان مختلف طاقتوں
کی کشمکش میں مثل اس چادر کے ہو جاتی ہے جسے چار قوی ہر ایک انسان چاروں طرف سے
کھینچ رہے ہوں نتیجہ یہ چادر چاک ہوگی اور اگر کشمکش جاری رہے تو تار تار ہو جائیگی
یہی صورت ہر اس دنیا کی ان طاقتوں کے تقادم میں اور یہی خلیفہ فساد فی الارض
ہر جو دنیاوی سلاطین کے ہاتھوں ہوتا رہا۔

انکار و عقول تلاش کرتے ہیں حل اس مشکل کا، سلطنت کس طرح سے قائم ہو، بادشاہ
کس طرح کا ہوتا کہ یہ باتیں ہو سکیں اور یہ زیادتیاں جو ہوا کرتی ہیں۔ ان کا سد باب ہو
لیکن یہ ہو کہو نہ کہ جب تک سلطنت کے ذمہ دار افراد میں دھم ہوس وہ جاہ طلبی، وہ شان و
شوکت اور قوت و طاقت کے اضافہ کی خواہش باقی رہے جو بہت انسانوں کی طبیعت
کا تقاضا ہر اس وقت تک یہ تمام باتیں دودھ ہو نہیں سکتیں۔

سلطنت کے احکام کو دنیا سے تسلیم کرانے کے لئے طرح طرح کے نظریے بھی عام افراد
کے ذہن نشین کئے گئے۔ ایک زمانہ تھا جبکہ یہ خیال قائم کیا گیا تھا کہ سلطنت درحقیقت
بالکل مثل نبوت یا رسالت کے ایک ضلع کی طرح قرار دادہ چیز ہے اسلئے جب کسی کو
اس نے سلطنت عطا کر دی تو تمام افراد میں سے کسی کو چون و چرا کا حق باقی نہیں رہا
اب جو کچھ وہ بادشاہ کرے۔ بہر حال خدا کی مرضی ہر کونکہ وہ نامزدہ خدا ہے جو دنیا

بادشاہی جلوس اور اس کی شان و شوکت ہمارے آنکھوں میں بھلی لگتی ہو اور ہمارے
 دل میں اس سے خاص کیفیت پیدا ہوتی ہو اور اسے صرف آنکھوں سے دیکھ کر ہم خوش
 ہوتے ہیں لیکن جتنی ہمیں اسے صرف دیکھ کر خوشی حاصل ہوتی ہے اتنی ہی اس بادشاہ کو
 خود اس جلوس کے ساتھ نکلنے سے خوشی حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اسکے نزدیک ایک
 معمولی چیز ہے اس کے دندان حرص و آز اس پاس کے مالک پر ایسی طرح تنیر ہوتے
 ہیں جس طرح ایک گرسٹہ انسان جسے بڑے بھرغذا نہیں ملتی اور اس کے اس پاس
 لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں اور وہ لپٹائی ہوئی لگتا ہوں سے ان کی طرف دیکھتا ہو۔
 اب اگر اس شخص کی طرح وہ بے بس ہو تو خاموشی سے دل پر تکلیف برداشت کرے گا
 اور وہ جا بیگا لیکن اگر اسکے پاس قوت و طاقت ہو اور وہ مقابل کو شکست دینے کا سامان
 سلطنت ہو اور اسکے ساتھ مادی ذرائع تو وہ ان ذرائع کو عمل میں لایگا۔ اس
 طاقت کو صرف کرے گا۔ اور دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔
 اب دوسرا فریق ایک تو ممکن ہے کہ اس کے مقابل میں کمزور ہو ہی نہ اور اس کا
 کمزور سمجھ لینا اس کو صرف ایک خیالی غلطی ہو اور دوسرے اگر کمزور بھی ہو تو یہ ضروری
 نہیں کہ کمزور خاموشی کے ساتھ اپنے تئیں پامال ہو جانے لے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ فوج
 کرے گا اور اس طرح جنگ ہوگی جس کے نتیجے میں ایک فریق کی فتح اور ایک کی شکست
 لیکن شکست خوردہ فریق شکست کھانے کے بعد انتقام کی فکر میں لگا رہے گا اور
 اپنی طاقت بڑھانے کے ساتھ کوشش کرے گا کہ اپنے غنیم سے بدلے لے۔ اور پھر اگر دنیا میں

بلکہ کوئی چیز ہی نہیں رہی۔

اسکے بعد دوسری منزل یہ آئی کہ بادشاہ کی برائیوں کا اسکے غلط افعال
اعمال کا اندازہ ہو مگر مخالفت نہ کی جائے۔ اسکے لئے بھی بادشاہوں کے پاس
پورا سامان موجود تھا۔ کیونکہ دنیا خواہشات کی بندہ ہو اور خواہشیں دو ہی طرح کی
مغضب طبع باتوں کے حاصل کرنے کی طلب۔ اور ناگوار طبع باتوں سے بچا حاصل
کرنے کی کاوش۔ پہلی چیز نتیجہ رجا اور دوسری نتیجہ خوف اور رجا و خوف و نڈک
مرکز مادی اسباب کے حدود میں بادشاہوں کی ذات یعنی اگر کوئی طالب عزت ہو۔
طالب انعام و نمود ہو۔ طالب شہرت و اقبال ہو تو ہر ایک کی امید بادشاہ ہی سے وابستہ
ہے اور قتل کا اندیشہ ہی۔ سولی پانی کا ٹھکا ہو۔ قید و بند کا خطرہ ہو تو یہ سب بھی
بادشاہ کی مخالفت میں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ پوری کوشش اس بات کی ہوگی کہ
کسی طرح بادشاہ راضی رہے۔ وہ خوش رہے اس کی توہین نہ ہو بلکہ اس طرح اس کا بادشاہ
کے کسی طرز عمل کی برائی کا احساس بھی ہو تو روکے کون اور ٹوٹے کون۔ اس طرح
بادشاہوں کی مطلق العنانی میں اور اضافہ ہو اور حصہ سدی یہ مطلق العنانی
بادشاہوں کے متوسلین و مقربین و ارکان دولت میں پیدا ہوئی کیونکہ ان کو بھی
حسب مرتبہ و درجہ لوگوں کے امید و بیم کی کڑیاں وابستہ ہو گئیں۔ کہیں نیاز و
ہو کہ بادشاہ سے ہماری شکایت نہ کر دیں لیکن ہے یہ خوش ہو کہ ہمارے لئے کچھ کلمہ خیر
کہیں۔ اس طرح ان متوسلین و مقربین کے افعال و اعمال بھی نقد و تبصرہ کے مستحق

میں موجود ہے۔ اسی بنا پر بادشاہ کے لئے "ظلم شر" کے لقب کی ایجاد کی گئی یعنی جس طرح پر چھائیں ہوتی ہے کہ ہر حرکت و سکون میں جسم کی تابع ہوا سکے افعال کی ترجمان ہے یونہی بادشاہ ہر رحمت و غضب آپسی کے مظاہرہ کی ایک شان -

اب بادشاہوں کا طرز عمل نقد و تبصرہ کے حدود سے بالاتر ہو گیا۔ بادشاہ جو کرے وہ ٹھیک ہی ہے۔ یہ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں کہ وہ صحیح ہی یا نہیں۔

اس طرح بادشاہ کے احکام میں ایک تبدیلی شان قائم کی گئی یعنی وہ حلقہ گزشتہ جو مذہب کے خصوصیات میں سے تھی وہ بھی لیکر بادشاہوں کے سپرد کی گئی۔

یہ ایک بڑا فساد ذہنی تھا جس نے رعایا کے قوائے داعی کو معطل کر دیا بنایا غور و خوض کا حق نہ دیا جانا سمجھنے کا حق سلب کر لیا یہ وہ کامیابی شیش ہے جس کے بعد مخالفت کا اندیشہ بہت حد تک ختم ہو جاتا ہے اس لیے بادشاہوں کی طرف سے اس کی خاص طور پر کوشش کی گئی۔

اور اسی بنا پر یہ فقرہ ضرب المثل ہو گیا کہ "امور مملکت خویش خردان زند" یہ وہ درجہ جو قرآن نے خداوند عالم کے لئے قرار دیا ہے کہ لا یسأل عما یفعل وہم یسألون یہی چیز بادشاہ کے لئے تسلیم کر لی گئی اور اس طرح ان کے خلاف لب کشائی کا موقع ہی باقی نہیں رہا۔

اب رعیت دیکھنے لگی بادشاہ کی آنکھوں سے سننے لگی بادشاہ کے کانوں سے اور جھنی لگی بادشاہ کے دل سے کیونکہ خود کی آنکھ۔ کان اور دل معطل ہو گئے

حکومت کا قائم ہو گیا تو اب فارسی زبان بھولے سے بھی یاد نہیں آتی۔ کسی زمانہ میں فارسی میں جتنا حکم تھا اتنا اب اہل علم کو بھی نہیں ہے۔

اب کیا کر؟ اب یہ کہہ کر انگریزی زبان کا ایک حرف نہیں پڑا ہے مگر گفتگو میں سنے سنائے ہوئے اگرچہ غلط سلاطینوں، زیادہ سے زیادہ الفاظ انگریزی کے صرف ہوں۔ اسے معیار عزت سمجھا جاتا ہے۔ انگریزی لباس پہنا جائے۔ اسے سرمایہ افتخار خیال کیا جاتا ہے۔ انگریزی طرز معاشرت اختیار کیا جائے اسے طرہ امتیاز قرار دیا جاتا ہے۔

اس میں سوچنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ یہ طریق کار مستحسن ہے یا نہیں سہی کوئی غریبی ہے یا نہیں۔ بس حکومت دت کے ساتھ تعلق ہے ہی اس کے اٹھان کیلئے کافی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے: ان اس علی دین ملوکھم یعنی تمام لوگ اپنے بادشاہ کے مسلک کے ادب پر ہوتے ہیں۔

یہی دین کو اس وقت تک نیا میں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوتی جب تک قسطنطین عظم نے اختیار نہیں کر لیا اور جب اس نے یہ مذہب اختیار کر لیا تو ملک بھر میں پھیل گیا۔ اسی طرح زندگی کے دوسرے شعبوں میں جب سلطنت نے کسی چیز کو ترقی دی اس وقت اس چیز کو مقبولیت حاصل ہو گئی۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں ہر انسان کا انفرادی فساد بہر حال انفرادی حیثیت رکھتا ہے لیکن بادشاہ کی حیثیت وہ ہے کہ اس کے انفرادی فسادات اجتماعی

بالا تر ہو گئے اور خود ان لوگوں کو کوئی فکر اپنے افعال و اعمال کے جائز و ناپسند کی نہ رہی
 کیونکہ بہر حال وہ جو کچھ کریں گے نہ کوئی اعتراض کر سکا نہ اختلاف اسکے ساتھ ہو سکا
 خلاصہً کہ یہ فکر کہ جو افعال و اعمال ان کو پسند ہیں وہی اختیار کرنا چاہئیں
 چاہے وہ جبر نہ کرتے ہوں ان کاموں پر اور چاہے قانونی حیثیت لازم نہ قرار دیں
 بلکہ چاہے وہ اپنی زبان سے لوگوں کو دعوت بھی نہ دیں ان افعال کی طرف لیکن
 بہر حال بادشاہ کے اختیار کردہ افعال ہونا محرک قوی ہر رعایا کے لئے انہی
 کاموں کے اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہو کر کہ جو مسک بادشاہ اختیار کرے۔ وہ مسک
 رعیت اختیار کرنے کی کوشش کرے گی۔ جو وضع و لباس بادشاہ کو پسند ہو اسی
 وضع و لباس کو رعیت میں بھی رواج حاصل ہو یہاں تک کہ جس مذہب و عقیدہ کا
 بادشاہ پیرو ہے۔ اس مذہب و عقیدہ کو عام رعیت میں مقبولیت حاصل ہو۔
 دیکھ لیجئے کہ جب ہندوستان میں مسلمانوں کا غلبہ ہوا اور سلطنت مسلمانوں کے
 ہاتھ میں آئی تو فارسی زبان کو اتنی ترقی ہوئی کہ یہاں کے اصلی باشندوں نے
 بھی فارسی میں ہمارت حاصل کی اور عام طور پر خطوط فارسی میں لکھے جانے لگے
 ہر شخص فارسی میں خط و کتابت کرتا تھا اور کسی اور زبان میں خط و کتابت کرنا
 ذلیل نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یکس لئے تھا؟ اسی لئے کہ ارکان سلطنت زیادہ تر
 اس زبان سے تعلق رکھتے تھے اس لئے رعیت کے سب طبقے سرمایہ افتخار سمجھتے تھے اس
 زبان پر دسترس حاصل کرنا لیکن جب نظام سلطنت میں انقلاب ہوا اور موجودہ نقشہ

علوہ کی اختیار کر لی ہو۔ آپ نے فرمایا اُسے میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ آیا تو حضرت نے فرمایا کہ تم سمجھا دو کہ شیطان کے راستے پر چل رہے ہو؟ آخر تم اپنے اہل و عیال پر رحم نہیں کرتے۔ خدا نے تمہارے لئے طہبات (جائز لذتوں) کو حلال قرار دیا ہے تو پھر تم کو ان کے استعمال میں خطرہ کس بات کا ہو؟

عام کو توجہ پیدا ہوئی خود حضرت کے لباس و غذا کی طرف۔ یہ وہ زمانہ ہے جب آئیہ عالم اسلامی کے شہنشاہ ہیں اور جلالت ظاہری کے تحت پرتمکن ہیں۔ اُسکے دماغ میں خیال آیا اور اُس نے کہہ دیا کہ مجھے تو آپ نصیحت فرما رہے ہیں اور خود آپ کے لباس و غذا کا یہ عالم ہو۔

آپ نے فرمایا: ویحیث ان لست کانت ان اللہ فرض علی امتہ العداۃ ان یقدروا انفسہم بضعفۃ الناس کیلا یتبغی للفقیر فقر۔

میرے تمہاری برابر نہیں ہے۔ میں اس وقت حاکم کے عہدہ پر ہوں اور عادل حکام کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنا معیار زندگی کمزور ترین افراد کے عایا کے مساوی قرار دینا تاکہ فقرا کو اپنی ناداروں سے تکلیف نہ محسوس ہو یعنی اُن کے دل میں یہ بات نہ آئے کہ افسوس ہمارے پاس اچھے کپڑے نہیں۔ اچھا کھانا انہیں جب وہ اپنے بادشاہ کو دیکھیں گے کہ وہ بھی ایسے کپڑے پہنتے ہیں۔ ایسی غذا کھاتا ہے تو اُن کے دل کو تسکین ہوگی۔ اب کہاں تعلیم اور کہاں بادشاہان دنیا کا طرز عمل کہ دنیا کی تمام رحمتیں وہ چاہتے ہیں مگر صرف اُن کی ذات کے لئے مجتمع ہو جائیں تو دنیا تکلیف میں بسر کرے۔

شکل اختیار کرتے ہیں اور اس طرح اس کی ذاتی بد اخلاقیات فساد فی الارض کا پیش قدمی قرار پاتی ہیں۔ کیونکہ فساد جیسا کہ میں نے سابق میں کہا ہر شوش ہنگامہ جنگ و جدال ہی نہیں ہر بلکہ فساد فی الارض ہر وہ خرابی ہر جوہور میں پیدا ہو۔

اور بادشاہ کا فساد رعیت میں ہر طرح کا فساد پیدا کر سکتا ہے خواہ ذہنی ہو خواہ اخلاقی خواہ تمدنی خواہ اجتماعی۔

اگر وہ ملک گیری کی ہوس نہیں بھی رکھتا اور جنگ و جدال نہیں بھی کرتا مگر خود اپنے افعال میں ذمہ داری کا احساس نہیں کرتا اور برے اخلاق و افعال کو اختیار کرتا ہے تو خود اسکے یہ افعال و عادات ہی غلتی خدا میں فساد پھیلانے کے لئے کافی ہیں۔ اسی لئے امیر المومنین نے ارشاد فرمایا۔ اذا تغیر السلطان تغیر الزمان ”جب بادشاہ کا رنگ بدلتا ہے تو زمانہ کا رنگ بدل جاتا ہے۔“

اسکے علاوہ یہ کہ بادشاہ کی ذمہ داریاں بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ ہوتی ہیں۔ اس کو اپنے اپنے قول و عمل دونوں طرح سے ظاہر کیا۔

اپنے لباس، غذا ہر طرح اپنی زندگی کو عام مسلمانوں سے زیادہ پابند و تنگ رکھا۔ حالانکہ اسلام نے ترک دنیا کو مفروضی نہیں قرار دیا ہے۔ اس لئے عام افراد اس حد تک اپنے نفس کو تکلیف پہنچانے لگیں تو انہیں روکا گیا۔

ملاحظہ کیجئے اس واقعہ کو کہ علاء بن زیاد حارثی نے امیر المومنین سے اپنے بھائی عام بن زیاد کی شکایت کی کہ اس نے بالوں کے کپڑے پہنے لئے ہیں۔ اور دنیا سے

”مجھے معلوم ہوا کہ تم کو جو انسان بصو میں سے ایک شخص نے ضیافت میں مدعو کیا اہم
 وہاں بڑی تیزی سے پوچھ گچھ کئے گئے تھے۔ لئے رنگ رنگ کے اچھے کھانے منتخب کئے
 لائے جاتے تھے اور پیالے تمھاری طرف بڑھائے جاتے تھے۔“

یہ تصویر کشی ہر اس حالت کی کہ جب کوئی بڑا آدمی کسی دعوت میں آ جاتا ہے جس کچھ
 نہ پوچھے اب میرا ان اپنے سب مہمانوں کو مہول جاتا ہے اور بہترین اسی ایک کی خدمت
 میں مصروف ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سب زیادہ اسی انسان کو بھوکے رہ گئے ہیں
 بھی جب کہیں جاتا ہوں تو میرے لئے بھی یہ ہوتا ہو۔ لیکن یہ مجھے اظہار حقیقت سے
 مانع نہیں ہو سکتا۔

صورت حال اس وقت پر بالکل یہ ہوتی ہے کہ یہ جہاں ایک پیالہ سر زیادہ کم
 استعمال میں نہیں لایا گیا اور نہ اس کے سیر کرنے کے لئے اس سے زیادہ ضرورت ہے۔
 مگر اگر کم لبالب پیالے اس کے آگے بڑھائے جا رہے ہوں گے حضور اس میرے پیش
 فرمائیں۔ یہ پیالہ حاضر ہے۔ اس میں سے تناول فرمائیے۔

خود اس وقت کی حالت بتائے گی کہ یہ انسان ان تمام ہمانوں میں ایک امتیازی
 شان رکھتا ہے اور بڑا آدمی ہر خطا ہر سبب کہ شہر کا حاکم جب کسی دعوت میں آ جاتا ہے
 تو اس کے لئے یہ صورت اپنی اعلیٰ شان پر نمودار ہوگی۔ اسی کو امیر المؤمنینؑ نے بیان
 فرمایا ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

وما ظننت انک تجیب لی طعام قوم عظمھم و غنمھم مدعو۔

یقیناً بادشاہ کی فحاشی نمود عمل ہونا چاہیے۔ کیونکہ اوس کوئی سخت سلطنت پر شکن ہوا
اور دنیا کی نظریں دلائیں کہ اس کے افعال کیا ہیں، اس کے عادات کیا ہیں۔ اس کا
طرز معاشرت کیا ہے۔

اسی بنا پر امیر المومنین اپنے حال حکومت یعنی مختلف شہروں کے گورنروں کی بھی
سختی سے نگرانی فرماتے تھے اور اسی ایسی باتوں پر انھیں تنبیہ کرتے تھے جو عام افراد
کے لئے اس حد تک قابل اعتراض بھی نہیں ہیں۔

عثمان بن حنیف انصاری آپ کی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے۔ انھیں کسی نے
ضیانت میں مدعو کیا اور وہ اس دعوت میں جا کر شریک ہوئے پس یہ خبر سنی جو
امیر المومنین کو پہونچی۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی اور ہوتا جو ذمہ دارانہ حیثیت نہ رکھتا تو یہ بالکل
وجہ کے قابل بھی نہ ہوتی کیونکہ اس میں کوئی خلاف شرع امر نہ تھا اور نہ کوئی گناہ تھا۔
وہ پر تکلف دعوت بھی لیکن پر تکلف دعوت میں جانا اور لذت کھانے کا کھانا بھی تو
حرام نہیں ہے۔

مگر چونکہ عثمان بن حنیف کو حکومت کا منصب چل تھا اس لئے امیر المومنین
نے تنبیہ کی ضرورت محسوس فرمائی اور خط لکھا۔

اما بعد یا ابن حنیف فقد بلغنی ان رجلا من فقیہ اہل بصرة
دعا الی ما دبة فاعتز الیھا استطاب لك کالوان ومقل لیك الجفان

لیگا اس نے کسی غریب کو خصوصاً اگر وہ شریف اور باعزت انسان ہو کیا ضرورت
 اگر وہ اس ذلت کو برداشت کرے۔

اگر کسی نے اپنی غیرت کو خیر باد کہے اس ننگ کو گوارا بھی کیا تو دھکے دیکر
 کمال دیا گیا اور بچاے کو داپس جانا پڑا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس دعوت ولیمہ سے وہ
 مقصد کیونکر پورا ہوا۔ اگر نیت ہوتی خلیق خدا کو فائدہ پہنچانے کی تو بھوکوں کو بلایا
 جاتا۔ پیٹ بھر دے بلانے کی فکر نہ کی جانی مگر ایسا نہیں ہوتا۔ ہوتا ہی ہے جو میں نے
 پہلے بیان کیا۔

روزہ خدا کی ایک عبادت ہے مگر اس میں شائع نے اپنی جانب سے حقوق اناس کو
 شریک کر دیا۔ افطار صوم کو فضیلت یعنی بہت بڑی عبادت اسے قرار دیا کہ کسی روزہ دار کا
 روزہ کھلوادیا جائے۔ اس حکم کے اوپر عمل بھی اسی صورت سے کیا گیا کہ اسے اپنے میل جل اور
 تعلقات کا ذریعہ قرار دے لیا جیسے بے تکلف دوستوں میں آپس میں دعوتیں ہوا کرتی ہیں
 ویسے ہی افطار صوم کی رسم میں تبادلہ ہونے لگا اور اسلئے ایک میں اپنے درجہ کے رئیس
 ہی کا روزہ کھلوایا گیا۔ اسی ہی دوسری چیزیں ہیں جن کی بنیاد فائدہ رسائی خلافت پر مبنی
 مگر اپنے طرز عمل کی وجہ سے وہ مقاصد فوت ہو گئے۔

مجلس کا حصہ { اس کی بھی بنیاد درحقیقت اسی پر تھی کہ کمزور اور محتاج افراد کی
 اعانت ہو۔ افراد قوم میں کتنے وہ ہیں جن کو پیٹ بھر کھانا نصیب
 نہیں ہوتا۔ ان کو جب معلوم ہوتا ہے کہ فلاں جگہ ڈبوں کی مجلس ہو یا بلا تقسیم ہو گا تو

”مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی کہ تم ایسے لوگوں کی دعوت میں جاؤ جہاں عیال دار غریبوں کو تو نظر انداز کیا جائے اور والدہ لوگوں کی دعوت دی جائے۔“

یہ کھل نقشہ ہر ان ضیافتوں کا جو ارباب نیا کی طرح کی جاتی ہیں۔

یعنی وہ چیزیں جنہیں ذریعہ قرار دیا گیا تھا تعاون باہمی کا، فائدہ رسانی خلق کا اُن کو ذریعہ قرار دے لیا گیا صرف اظہار نام و نمود کا۔ مثلاً شادی میں دعوت ولیمہ کی رسم، اس کی بنیاد یہ تھی کہ تم نے اگر اپنے گھر میں ایک سرت کی تقریب قرار دی ہو اور تمہارا دل خوش ہو اور تو تم دوسرے لوگوں کو کیوں بھلاؤ۔ اُن کے لئے اتنا ہی سہی کہ ایک قت کا کھانا کھلاؤ، حقیقتہً یہ اُن غریبوں کے مفاد کے لئے ہر جن کے واسطے ایک قت کا کھانا بھی ایک قابل قدر اور غیر معمولی نعمت ہے۔ مگر ہمارے یہاں دعوت ولیمہ صرف اپنے تعلقات کے مظاہرہ کا ذریعہ قرار پائی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اگر کسی رئیس کے یہاں ولیمہ ہو تو مخصوص طو سے کارڈ بھجوائے گا کہ وہ کارڈ مخصوص لوگوں کے پاس بھیجے گئے جن کے نام ان رئیس صاحب کے معلوم ہیں اور بھلا ایسے رئیس صاحب کو غریبوں کے نام کیوں معلوم ہونے لگے۔ اور اگر معلوم بھی ہوں تو ضرورت کیا ہو کہ اپنی سفید پوش محفل کو میلا اور بدناما بنایا جائے۔ نتیجہ کارڈ اُن لوگوں کو جو ایسے بہتے وقت کے کھانوں کو بھی کوئی چیز نہیں سمجھتے کسی غریب کو شرکت کرنے کی کیا مجال۔ کیونکہ ایک آدمی دروازہ پر کھڑا ہے اور وہ ہر آنے والے سے اُس کا کارڈ مانگتا ہو اور دیکھ لیتا ہو۔ اگر کارڈ نہ ہو گا تو اندر جانا

امر خیر ہے مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر حصہ تقسیم ہوتا تو دوسرے دہنے صرف ہوتے۔ یہاں
 بچاس روپے یتیم خانہ بھیجے گئے اور مجلس کے رقعوں میں نیچے لکھ دیا کہ تقسیم
 حصص کی رقم مذکور شدہ یتیم خانہ کی گئی " حاصل کیا ہوا وہی نام و نمود۔ جب سب سے
 داسوں میں نام الگ ہو کام الگ کھلے تو ضرورت کیا کہ زیادہ رقم صرف کی جائے۔
 جو روپیہ بچا وہ ان دنیاوی فضول خرچیوں میں صرف ہوا جن میں اس طرح کے ارباب دنیا
 کا روپیہ عموماً صرف ہوتا رہتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ بہت سے مصلحین قوم الہیہ
 تجاویز پیش کرتے ہیں جو بجائے خود بالکل ٹھیک ہیں مگر عملی پہلو ان کا تاریک ہے۔
 بات سیدھی سادھی بڑی ٹھکانے کی ہے کہ جو رقم حصوں میں صرف ہوتی ہے وہ کسی قومی کام
 میں اور تعمیر ملی میں صرف کی جائے مگر مجھے کون اطمینان دلائے کہ وہ حصہ کی رقم اسی
 صورت میں خیر خیرات میں صرف ہوگی جس صورت میں وہ لاکھ عمل میں پیش کی جا رہی ہے۔
 میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ وہ رقم جب اس طرح سے پس منداں ہوتی تو سنیما اور تھیٹروں
 میں صرف ہونے لگی یا اگر قدامت ہی قدامت ہے تو کنکڑے بازی بٹیر بازی مرغ بانیا
 وغیرہ وغیرہ لیکن ان کاموں میں صرف نہ کی گئی جن کے مصلحین قوم نے حصص کی رقم کو
 ملتی کیا تھا۔

اس صورت میں تو میں بہتر یہی سمجھتا ہوں کہ حصص کی رقم قائم رہے۔ اس صورت میں
 جو کچھ صرف ہوتا ہو وہ بہر حال۔ نہ ایک بھائی کے کام و شکم کی پرورش کرتا ہے۔ یہی ہے
 لیکن آپ اپنے نزدیک جو پس منداں کرنے کی صورت بتا رہے ہیں اس میں پس منداں نہ لگنا

یہ لوگ سب اس مجلس میں مکر اکٹھا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح نہ معلوم کتنے لوگ وہ میں جلی دو عیناً ٹھہ دن پرورش ہی حصوں پر ہوتی ہو۔ لیکن وہ آنے والے اکثر ان میں سے بچے ہوئے لباسوں میں ہوتے ہیں۔ شرفا اور سفید پوشوں لوگوں کو اس کا احساس ہوا۔ ایسی مجلسوں میں جانے سے گھبرانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روسا نے حصے گھروں پر تقسیم کرنا شروع کئے، لیکن اب یہ حصے تو انہی لوگوں کے گھروں پر جائینگے جن کو اس قابل سمجھا جائیگا۔ بھلا وہ غریبوں کے سلام کا جواب دینے میں ان ریشیوں کو عذر ہوتا ہو؟ ان کے گھروں پر یہ حصہ کیوں جانے لگا۔ اسکے معنی یہ ہوئے کہ وہ حصہ جو تبرک سمجھا جاتا تھا اور جس کی بنا پر غریبوں کی طبیعت پر کوئی احسان مندی کا بار نہیں پڑتا تھا اب اس تبرک کو محدود قرار دیا گیا گھروں کے ساتھ۔

لہذا وہ خود دار انسان جو محتاج تھے مگر اپنی عزت کو محفوظ رکھے ہوئے تھے ان کو اپنے گھر پر حصہ نہ آنے کا قلق ہوا اور اس کے ساتھ وہ مجلس میں جانا اپنی توہین کا باعث سمجھے اور وہ غریب اور جو مجلس میں پہنچ گئے انھیں بہر حال اس حصہ محدود ہی رہی جو اس مجلس میں تقسیم ہونے کی صورت میں ان غریبوں کی پرورش کا ذریعہ تھا۔ اس صورت سے مفاد حصہ کا رخصت ہو گیا اور کوئی نتیجہ اس کا سوائے اظہار نام و نمود کے باقی نہیں رہا۔

اس کے بعد مصلحین قوم نے یہ کہنا شروع کیا کہ حصوں کی رقم بجائے حصوں میں صرف کرنے کے متمم فائدہ بھیج دی جائے یا اوسا طرح کے ادارہ میں دیدیجئے خیر یہ بھی

سو بچنے کی زحمت بھی برداشت نہ کریں گے کہ یہ کہاں سے آیا ہے اور جائز ہے یا ناجائز۔
یقیناً ایک مہ دار انسان کے یہ طرز عمل شایان شان نہیں ہر عثمان بن حنیف
حاکمانہ حیثیت رکھتے تھے ان کو ایسی باتوں پر بھی نظر رکھنا امیر المؤمنین کے مذاق
مصلح پروری میں ضروری تھا۔

اب تک خود عثمان بن حنیف کو بحیثیت حاکم دوسروں کے لئے نمونہ عمل بننے کی تاکید
تھی لیکن اب امام نے ضرورت محسوس کی کہ خود عثمان بن حنیف کو بھی تو ایک نمونہ عمل کی
طرف توجہ دلا دی جائے جو ان کے لئے مرکز پیروری قرار پاسکے اسلئے ارشاد فرماتے ہیں
الادان کل ماموم اما ما یقتدی بہ ویستضیئ بنو عدلہ الا وان امکم
قد اتقین من ذلہا بطعمہ من طعمہ بقر صیہ۔

”معلوم ہونا چاہیے کہ ہر انسان کے لئے ایک میٹھا ہوتا ہے جس کی وہ پیروی
کرتا ہو اور اس کی دانائی کے نور و ضیاء سے فیض حاصل کرتا ہے بھئیں اگر اپنے امام
علی بن ابی طالب کو دیکھنا ہو تو دیکھ لو کہ میں نے مال دنیا سے صرف دو کھنہ بوسیدہ
کپڑوں پرادر کھانے کی چیزوں سے صرف دو سوکھی روٹیوں پر اکتفا کی ہے۔“

الادانکم لا تقدرون علی ذلک ولکن اعینونی بوجع واجتہاد
دعفة وسداد۔

”ہاں مگر تم اتنا نہیں کر سکتے ہو۔ اسلئے میں یہ نہیں کہتا کہ تم بالکل بھی رو
جو میں کرتا ہوں مگر جہاں تک ہو سکے میرا ساتھ دو پھر میرا گاری اور تقویٰ اور

وہ غیر اقوام کی تماشگاہوں کی غدر ہو جائیگا۔ پہلے بس انداز کرنا سیکھو اور دوسروں کو سکھائیے پھر اس طرح کی تحریکیں پیش فرمائیے۔ ابھی تک تو ہمیں بس انداز کرنے کا طریقہ ہی نہیں معلوم۔

بہر حال یہی چیز جو دعوتوں میں عام طور پر نظر آتی ہے کہ رُسیوں کو دعوت دیکھتی ہی اور غریبوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے میرا المومنین نے ان الفاظ میں ظاہر کی ہے کہ علمائے حق و غنیہم مدعو۔

آپ کا مطلب ہے کہ عثمان بن حنیف کو متنبہ کر دیں۔ اگر وہ بحیثیت کم مہربان کو ایک امدادی سی تنبیہ کر دیتے کہ میں ایسی دعوت میں شریک ہونا پسند نہیں کرتا جہاں غریب کو دعوت دینے سے گریز کیا گیا ہو تو پھر غریب کو دعوتوں میں اس طرح نظر انداز نہ کیا جاسکتا۔ اسکے بعد آپ دس سر پہلو کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

فانظروا ما تقضون من هذا المقض فما اشتبه عليكم علمه فالفظه وما ايقنت بطيب جهه فذل منه يعني یہ بھی نو دیکھ لیا کرو کہ جو کھانا تمہیں کھلایا جا رہا ہے وہ کیا ہے۔ اگر کچھ تمہیں شبہ پیدا ہو تو اسے چھوڑ دو اور اگر یقین ہو کہ حلال کمائی کا کھانا ہے تو اسے تناول کرو۔

مگر دنیا میں یہ حالت ہے کہ یوں ہم اپنے مقام پر کسی شخص کو مکمل سے الزام بھی دیتے ہوں اور کہتے ہوں کہ وہ مال حرام صرف کرتا ہے اور حرام کاروبار بھی کھاتا ہے لیکن اگر وہ ہم کو کبھی دعوت میں مدعو کرے یا کچھ نذرانہ جاری خدمت میں پیش کرے تو پھر ہم یہ

اور تیرے گھر دو بیٹیاں ایسے کچے ہوں جو چڑھنا لگے تو اُس کے کھانے کے لئے تڑپ جائیں۔
ایسے حاکمانہ حیثیت کی ذمہ داری کا اظہار۔

ممنوع من نفسی بان یقال میدا المومنین ولا اشارکم فی مکاسرہ
الدہل واکون اسق قلہم فی جشوبۃ العیش۔

”کیا میں اتنے پرکٹھا کر لوں کہ لوگ مجھے امیر المومنین (مسلمانوں کا حاکم) کہتے
ہیں اور میں ان مسلمانوں کے ساتھ زمانہ کی سختیوں میں حصہ نہ لوں یا زندگی کی ہلچل
میں ان کے لئے نمونہ نہ بنوں۔“

دیکھئے کیا اس سے پورا اندازہ نہیں ہوتا کہ امیر المومنین کی جگہ ایک بادشاہ اور
صحیح حاکم کے فرائض کا معیار کتنا سخت ہے یقینی بادشاہ اگر اعتدال پر قائم رہے تو
دنیا اعتدال پر قائم رہے گی اور اگر بادشاہ نے خود بد اخلاقیوں اختیار کیں اور فساد کے
راستہ پر گامزن ہوا تو یقیناً رعایا میں بھی فساد ہوگا اور یہ فساد فی الارض وہ ہے جو
بادشاہ کے انفرادی افعال کا نتیجہ ہے اور جس سے دنیا کے اصلاحی مقاصد کو عظیم
صدمہ پہنچتا ہے۔

یہ تو بادشاہوں کے انفرادی افعال تھے۔ اسکے بعد وہ ہوس ملک گیری اور
تخت و تاج کی آتش طلب جو کسی طرح سے کبھی نہیں کسی طرح سے خاموش نہیں ہوتی
وہ دنیا کے امن و امان کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔

قرآن میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان الملوث اذا خلوا قریۃ فاحرقوا

پارسائی اور سلامت روی لے ساقہ۔
 آخر میں اپنے اپنی حاکمانہ حیثیت کے ساتھ ذمہ داری کے اضافہ اور اپنی موصات
 خلافی اور مہر دی کے احساسات کو ظاہر کرنے کے ساتھ شروع میں غنیا و زمانہ کے
 غرور و اقتدار کو ایک بڑی ٹھوکر لگائی یہ یہ فرما کر۔

و لوشئت لاهتدیت الطریق الی مصفیٰ هذا العسل ولما یذی القمح
 و ساج هذا القز و لکن ہیمات ان یغلبنی هوای و یقودنی جشعی لثغیر
 الاطعمۃ و لعل بالہجازا و الیامۃ من لا طمع لہ فی القرص کلا عہد لہ بالشیع۔
 ”اگر میں چاہتا تو مجھے بھی ذرائع حاصل تھے کہ کھانے کے لئے، صاف اور شفا
 شہد اور بہترین غلے اس انداز اور پینے کے لئے رشیم کے کپڑے میرے لئے موجود ہو جاتے
 لیکن حاشا دکلا اس بات سے کہ میری خواہشیں میرے اوپر غلبہ پائیں اور میری حرص مجھ کو
 لذیذ غذاؤں کے انتخاب پر آمادہ کرے حالانکہ شاید حجاز یا یمامہ میں ایسے اشخاص موجود
 ہوں جنہیں ایک دینی کی بھی توقع نہیں اور میرے ہو کے کھانے کا مزہ تک معلوم نہیں۔“

اد ابیت مبطانا و حولی بطون غرقی، و اکبا و حری و اکوت کما قال لقائل
 و حسبک داء انا و عویبطۃ و حولک اکبا و حقن الی القد

”کیا میں کم سیر ہو کر سو رہوں اس حالت میں کہ میرے گرد و پیش گرسہ شکم و دہنچے
 ہو کے کلیجے موجود ہیں اور میری وہ اپنی ہو جسے شاعر نے کہا ہو کر
 اس سے بڑھ کے تیار رنگ کوئی نہیں ہو سکا کہ تو تجھ میں مبتلا ہو کر دنیا سے سدا بہار

رعیت کے دکھ درد کا حکومت کی طرف سے احساس کیا جائے گا اس لئے کہ ناسدہ منصف
 کئے ہوئے جہور کے ہونگے وہ سمجھیں گے کہ ہمارے بھیجے ہوئے گئے ہیں۔ اس لئے
 ہمارے مزدوریات کا لحاظ کرینگے اور ہمارے مصائب کا انہیں خیال ہوگا۔
 دنیا سمجھی کہ اب ان استبدادی الاکم و شدائد سے نجات لگئی لیکن دنیا کے اقدار
 روزانہ ہونے والے حوادث بتلاتے ہیں کہ یہ نظام بھی نفع انسان کے لئے فائدہ مند
 ثابت نہوا۔

اس طرح سے بھی بے دست پا افراد پر مظالم کا خاتمہ نہیں ہوا۔ طاقت و شہرت
 و جاہرت رکھنے والے صیاحان نام و نمود اور صاحب شخصیت افراد تو پہلے بھی ایک حد تک
 صرف اپنے اعزاز و جاہرت، ثروت و دولت کی بنا پر محفوظ رہ سکتے تھے اور رہتے
 تھے۔ وہ اب بھی محفوظ ہیں اور یہ طبقہ بہر حال زندگی کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکتا ہے
 اور ہوتا ہے لیکن وہ کمزور افراد جو حقیقہً مراعات کے مستحق تھے جن کے مزدوریات حقیقہً سمجھنے
 کے قابل تھے اور حقیقت جن کی اکثریت سی اس جہور کی تشکیل ہوتی ہے اور جن کی زیادہ
 تعداد اس پوری طاقت و قوت ملکی کے لئے ذرات حیات کی حیثیت رکھتی ہے۔
 ان کے مزدوریات پہلے بھی نظر انداز ہوتے تھے اور اب بھی دل بہلانے کے لئے اور
 دلچسپی پیدا کرنے کے لئے ایک مفہم ہو جسے "جہوریت" کہتے ہیں اور خیال ہوتا ہے کہ
 اس سے بڑھ کر تمام لوگوں کے منافع اور مصالح کا لحاظ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ
 بہت سے وہ لوگ جو مذہب کے تعلیمات کے علمبردار ہیں وہ اس معاملہ کو مذہبی لباس پہنا کر

وجعلوا العزة اهلها اذلة فكذلك يفعلون۔

”بادشاہ جب کہیں وارد ہوتے ہیں وہاں فساد پیدا کر دیتے ہیں اور عزت اور گور کے
دہاں کے ذلیل کر دیتے ہیں۔ اُن کا عام طرز عمل یہی ہوتا ہے۔“

دنیا کے سلاطین بہت کم وہ ہیں جو اس مستثنیٰ ہون۔ تاریخ کے اوراق بھرے
پڑے ہیں۔ اُنکے فسادات کی فہرست جو دنیا میں برپا ہوئے ہیں طویل ہے۔ تاریخ
قدیم اور تاریخ جدید۔ ماقبل اسلام اور مابعد اسلام ہرزمانہ میں بادشاہوں کے تارکب
کارناموں سے اوراق تاریخ کے سیاہ پڑے ہوئے ہیں۔ ہر دور میں افراد انسان نے
جماعت کے ہاتھوں پریشان ہوتے رہے ہیں اور اخلاق جمیلہ ان کے ہاتھوں پامال
ہوتے ہوئے نظر آئے ہیں۔ بادشاہ کی حیثیت ایک مالک کی قرار دے لی گئی اور
رعیت کے افراد کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا رہا جو غلاموں کے ساتھ کیا جاتا رہا۔
ایک زمانہ وہ تھا جس وقت میں بادشاہ شخصی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا تھا۔
سلطنت کے معنی یہی تھے کہ ایک شخص تمام رعیت کے نظام کا ذمہ دار ہو۔ چاہے سیاہ
کرے چاہے سفید۔ دنیا اُن مصائب گھبراہی اُن کلیغوں سے پریشان ہوئی جو
اس قسم کے بادشاہوں کے ہاتھوں رونما ہوئے۔ آخر اس کا حل تجویز کیا اور سمجھ کر اب
کامیاب ہو گئے۔ وہ حل یہ تھا کہ بادشاہ شخص واحد نہ بلکہ ایک نظام جمہوری قائم ہو
اور اُسکے تحت میں حکومت ہو۔

اس طرح سلطنت کا مفاد حاصل ہوگا اور شخصی استبداد کو نکالیت نجات دی جائے گی۔

جرات بھی ان میں ہوتی کہ جو کچھ ان کا دماغ بتا رہا ہو اس پر وہ قائم رہیں اور ہر نبی
 سمجھیں اُسی کے لئے رائے دیں اور ہرگز خارجی اثرات اور بڑی شخصیتوں کے اقتدار غلبہ
 سے مرعوب نہ ہوں اور وقتی خوشامد اور چالوسیوں سے متاثر نہ ہوں نہ کسی طرح کے تقاضے
 ذاتی و قومی غناد کا اثر لیں اگر افراد جمہور عموماً ان خصوصیات کے حامل ہو سکتے تو بیشک
 ان کا راکہ اکثریت جو نظام طیار ہوتا وہ جمہور کے تمام طبقات کے لئے ضرور مفید ہی
 ثابت ہوتا لیکن جب تک کہ اس دنیا میں دو طبقے موجود ہیں ایک طبقہ خواص کا ہوا اور
 ایک طبقہ عوام کا جس کی اکثریت ہو۔ مگر یہ اکثریت پوری بسبب پر دماغی افلاس اور
 ذہنی بے مائیگی اور اخلاقی کمزوری اور نفس کے چھوٹے پن کے اُسی خواص کی جماعت کی
 مٹھی کے اندر ہوا اور انہی کے آلہ کار ہوا جو خواص خود ہوا وہ اس اور ذاتی خود غرضیوں
 اور باہمی رقابتوں کا شکار ہیں اور ہمیشہ ہر چیز کو انہی غراض کے زائید نگاہ سے
 دیکھنے کے عادی ہیں۔ جب تک صورت قائم ہو اس وقت تک اس صحیح جمہوریت کی
 تشکیل ہی نہیں ہو سکتی جو عامہ خلائق کے لئے یکساں حیثیت سے مفید ہو سکے۔
 ہوتا کیا ہو؟ ایک میسر کسیر نہیں۔ راجہ ہمارا راجہ کو اپنے سے موافق بنا لیجے پس پھر جتنے
 اس کے متوسل در و وابستہ دہن ہیں وہ سب ہی آپ کے ہو گئے بغیر ممکن ہے ایک اُن
 بھی اُن میں سے آپ کے خلاف چلی جائے۔

صرف وہی نہیں جو اس وقت اس سے متوسل وابستہ ہیں بلکہ بہت لوگ جو اس
 رئیس سے کوئی توقع نہ رکھتے ہیں یہی کسی اندیشہ فرد کا احساس رکھتے ہیں۔ اگرچہ وقت

یہ کہنے کے لئے طیار ہوتے ہیں کہ اسلام جمہوریت کا حامی ہو اور اسلام نے جمہوریت کی
 بنیاد قائم کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت اگر صحیح معنوں میں جمہوریت ہو تو یقیناً
 بہت سی ان شکایات کا علاج اسکے ذریعہ سے ہو سکتا ہے جو ایک شخص کے رحم و کرم
 چھوڑ دینے کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں لیکن وہ نظام جمہوری جو اس وقت دنیا میں قائم ہے
 وہ ان مصلحت و اغراض کو پورا نہیں کرتا جو نظام جمہوریت کے لئے عالم خیال میں
 متعین کر لئے گئے ہیں۔ آپ ان بڑی بڑی جمہوریتوں کو جانے دیجئے جو سلطنتوں کی
 شکل میں ہوتی ہیں یہ چھوٹے چھوٹے نظام جمہوری جو ہر محل کے لحاظ سے ہر شعبہ
 کے اعتبار سے آپ کے پیش نظر رہتے ہیں ان میں کیا حقیقت جو لوگ برسرِ اقتدار آتے
 ہیں وہ جمہور کے نمایندے ہوتے ہیں اور کیا واقعی جمہور کے اغراض و مقاصد ان
 لوگوں سے اس طرح پورے ہوتے ہیں جس طرح سے ظاہر کئے جاتے ہیں اور ان خاص
 افراد جمہور کے تکالیف و ضروریات کا صحیح محسوس ہو تا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر
 تمام افراد جمہور اہل الرائے ہوتے اور ہر شخص صلاحیت کھتا ہو اس بات کی کہ وہ
 کسی مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کر سکے اور یہ سمجھ سکے کہ کون شخص ہمارے مفاد
 اور اغراض کے لئے مفید ہو اور کون مضر ہو۔ کون شخص ہمارا ناشی ہمدرد ہو
 اور کون حقیقی کس کے دعاوی و معاہدہ و فاسد و چار ہو سکتے ہیں اور کس کے عادی
 و معاہدہ و فاسد بالکل بیگانہ۔ اگر ان تمام باتوں کو یہ سب سمجھ سکتے ہوتے اور
 اسکے ساتھ اپنی قوت ارادی کو صرف کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے یعنی اتنی عقلی

ماہل کر لیں۔ حقیقت یہ ہر کہ عالم دین میں مختلف طرح کی حیثیتیں شریک ہیں۔ وہ فرد بنی آدم ہونے کے لحاظ سے ایک آدمی ہے۔ بحیثیت ساکن شہر ہونے کے ایک شہری ہے۔ بحیثیت دُعا رکھنے کے ایک عاقل ہے اور پھر بحیثیت علم شریعت رکھنے کے عالم دین ہے۔ بحیثیت فقہ سے واقف ہونے کے فقیہ اور بحیثیت قوت اجتہاد رکھنے کے مجتہد ہے۔ آپاں کے پاس گئے۔ میونسپلٹی کا انتخاب پیش ہے۔ آپاں نے اپنی کارکردگی بیان کی۔ دو ایک اصحاب کا حوالہ دیا کہ وہ بھی اس سے خوب واقف ہیں۔ خود اپنے خصوصیات بتلائے کہ میں کون ہوں۔ وہاں ظنوا بالموہنین خدیا کا اصول پہلے سے جاری ہے۔ افعالِ مسلمین معمولۃ علی الصحتہ بھی موجود ہے۔ اقوال میں فطرت کا تقاضا بجا ہے۔ ہر محمول ہونا موجود ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ عالم دین صاحب نے تحسینِ دافرن کی۔ ارشاد کیا واقعی آپ کے خدشات قابلِ قدر ہیں۔ بس اب کیا ہے جلدی سے کاغذ پیش کیا کہ حضور اس پر تحریر فرمائی وہاں بھی قلم اٹھا گیا اور لکھ دیا گیا لیکن لکھنے والے نے بحیثیت ایک ذی شعور انسان ہونے کے لکھا بحیثیت ایک باشندہ شہر ہونے کے لکھا۔ بحیثیت ایک عاقل ہونیکے لکھا۔ جس شخص کی انسان کی تمام تعلقات لکھا ہوا اس کی کارکردگی کسی حد تک تھ ہو اسے حق ہے کہ وہ اظہار رائے کرے اور اگر وہ شہر میں رہتا ہے اور سڑکوں پر سے عبور کرنا ہے تو اسے اُن سڑکوں کی حالت خوش، انتظامی یا صفائی کے اظہار کا بھی موقع ہے لیکن یہاں نتیجہ کیا ہوا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ اس تحریر سے غلط فائدہ اٹھا گیا یعنی اس تحریر کو

ان کے خشت نہیں مگر صرف اس سید اور خوف کی وجہ سے کہ آئندہ ہمارے ضرورت
 وابستہ ہوگی یا کہیں اس کے ذریعے سے ہم کو یہ نقصان نہ پہنچ جائے وہ کبھی
 صرف اس رئیس کی موافقت کی بنا پر اُسی کے ساتھ اتفاق کریں گے! اور ہر سے
 لوگ ایسے ہیں کہ جو نہ کوئی امید رکھتے ہیں اور نہ کوئی اندیشہ لیکن صرف اپنے نفس کے
 چھوٹے پن سے اُسکی دولت و شہرت کو ایک بڑی چیز سمجھ کر اُس کا اشارہ کے سامنے
 سرنگوں ہو جانا اپنی فطرت کا تقاضا پاتے ہیں۔ یہ لوگ اُس کی بات نہیں مالتومض
 اس لئے کہ وہ ایک برا آدمی ہے۔

اب اس رئیس کے موافق کر لینے کے بعد اتنی کثیر التعداد رائیں جو حاصل ہوئیں اور
 ان کے ذریعے سے جس اکثریت کی تشکیل ہوئی وہ حقیقتہً اکثریت ہر زیادہ نام پر صرف
 اس ایک رئیس کی رائے کا جس کے زیر اثر یہ سب کچھ ہوا ہے؟

اسی طرح دوسرے ایسے لوگ جن کے ساتھ کسی نہ کسی طرح ضروریات خلق کا تعلق
 ہے۔ جیسے دہلی بیرسٹر حکیم، ڈاکٹر ان میں سے کسی ایک کو ہوا کر لینے کا نتیجہ
 یہ ہوتا ہے کہ جتنے لوگوں کے ضرورت یا اُن سے وابستہ ہیں وہ سب متفق ہو جائیں۔

سب سے زیادہ مؤثر۔ سب سے زیادہ لوگوں کو دھوکا دینے والی چیز۔ سب سے زیادہ
 لوگوں کے دماغوں کے ادھر اُتر دالنے والی چیز اور سب سے زیادہ گمراہ کن چیز یہ ہے کہ
 اس طرح کے دنیاوی معاملات میں جیسے مینڈیپٹھی کا انتخاب۔ کونسل کا مقابلہ کسی خاص
 جگہ کی امید واری ان تمام مواقع میں کسی عالم دین کے دستخط لے لیں اور انکی تائید کو

رہنے والے۔ بہت کم ادھر اور ادھر جانے والے اور گردش کر نیوالے میں بیچ کہتا ہوں کہ بہت ممکن ہے ہم کو ایسے سکونٹی حلقوں کے اکثر راستوں اور نگلیوں کے کبھی دیکھنے کا اتفاق بھی نہوا ہو اور صرف محدود ایک راہیں وہ ہوں جن سے ہم عام طور سے گزرا کرتے ہیں اور پھر ہمیں اتنی توجہ کہاں کہ ہم پورے طور پر اس سلسلے کے تمام خصوصیات کو براہ دیکھتے رہا کریں۔ اس صورت میں ہماری یہ رائے کہ مینیسٹیٹ کے انتخاب میں فلاں شخص کو دوٹو دیا جائے کیا وزن رکھتی ہے۔ اور جہاں گشت و جہاں پیا اشخاص کو جو ہر راستے گلی میں برابر گزرتے رہتے ہیں اور ہم سے زیادہ حالات شخصی سے واقف ہیں ہماری اس رائے سے متاثر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

یقینی جو شخص علما کے تحریرات اس غرض سے حاصل کرتا ہے کہ ان سے عامہ افراد کے ذہن کو متاثر کرے وہ اکمل نہتالی گمراہ کن فریب کاری کا مجرم ہے۔ اب ان تحریرات کے اثر سے جو رائے حاصل ہونے لگی ہیں حقیقت یہ سمجھنا کہ وہ اتنے اشخاص کی رائے ہیں بالکل غلط ہے اور ان رائوں کی اکثریت سے جو جمہوری شکل طیار ہو اسے کبھی جمہوریت کا صحیح مصداق نہیں سمجھا جاسکتا۔

عوام کی یہ حالت بھی ہوتی ہے کہ جس شخص کے متعلق شہرت پیدا ہو جائے کہ فلاں شخص بہت اُپنی ملیں گی۔ کامیاب ہی ہوگا بس اب جو ہر اسے میلان طبع اس کی طرف ہوجائے گا جس طرح کسی بڑے مقام پر جیسے آصف الدولہ کا امامبارہ مجلس کیجئے اور لوگوں کو یقین ملا دیجئے کہ اس مجلس میں بڑا مجمع ہوگا۔ اب ہر شخص ہی خیال ذہن میں لے کر اس مجلس

بحیثیت ایک عالم دین کے فتوے کے شائع کیا جس سے اُس کے مقلدین اور مخلصین و متقدین کی کثیر تعداد پر اثر پڑے۔ اُن میں اگر سمجھنے کی صلاحیت بھی ہو تو وہ اُس صلاحیت سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ دماغ کی طاقتیں صرف ہونے ہی نہ پائیں حالانکہ اگر خود مجتہد سے پوچھا جائے کہ کیا اس مسئلہ میں کہ فلاں شخص کو دوٹ دیا جائے یا کبھی تقلید واجب ہے تو وہ خود لکھ کر گھبرا کر نہیں بتا لیں کہ احکام شرعی کلیات میں جاری ہوتے ہیں لیکن افراد و جزئیات کے خصوصی حالات عام افراد کے ذاتی عقائد و رائے سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان میں مجتہد اگر رائے ظاہر بھی کر گیا تو وہ بحیثیت مجتہد کے نہیں ہوگی بلکہ بحیثیت ایک عاقل در صاحب رائے انسان کے ان باتوں میں بہت ممکن ہو مجتہد کی رائے صحیح ہو اور آپ کی رائے اُس کے مقابلہ میں صحت رکھتی ہو۔

اس لئے یہ ہرگز رد و انہیں ہو کہ امتحان کے معاملہ میں ایک مجتہد کی تائید کو وہ حیثیت دے گا جو کسی شرعی مسئلہ میں اُس کے فتوے کی ہو سکتی ہو۔ یہ بات کہ فلاں شخص فقیر منتخب ہونے کے قابل ہو یا نہیں اس میں آپ خود رائے قائم کیجئے اور اپنے معلومات سے کام لیجئے۔ بہت ممکن ہو کہ آپ کو اُس شخص کے ایسے اوصاف اور حالات معلوم ہوں جو مجتہد کے علم میں بھی نہیں ہیں کیونکہ علماء کے سامنے تو ہر شخص چھانکے آتا ہو اور اپنے مٹیں اچھا انسان ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہو اور وہ اسے پورے طور پر سمجھ نہیں سکتے کیونکہ ان کے تعلقات کم اردوہ اپنے گھر میں بیٹھنے والے اور اپنے کاموں میں مصروف

بات یہ ہر کہ ہنی آنکھوں سے اوجھل ہر اس لئے اُس کا اثرا قائم نہیں رہتا اور حال کوئی چیز نہیں اور مستقبل بہر حال تو قعات سے وابستہ اور تو قعات مواعید پر قائم اور مواعید کا اعتبار الفاظ کی جاذبیت و کشش کیساتھ متعلق ۔

پھر دشواری یہ ہر کہ ایک ایسے منصب کے انتخاب میں جو صرف کارگزاری اور محل سے متعلق ہے لحاظ کیا جاتا ہے خارجی چیزوں کا ۔ مثلاً امیدواروں میں ایک تہذیبی ایک غیر سید ۔ بے شک سید اشراف ہر گز یہ تو ضروری نہیں کہ وہ اُس کام کو بھی زیادہ بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہو ۔ اسی طرح یہ کہ فلاں امیدوار اس مذہب کا پیرو ہے اور فلاں امیدوار دوسرے مذہب کا پیرو ۔ عوام کو ان باتوں کی طرف توجہ دلاتا اور اس کو بڑے موثر الفاظ میں پیش کرنا کہ فلاں مسک عقیدہ جماعت والے کو منتخب نہ کرو کیونکہ اُس کے یہ خیالات ہیں اور یہ خیالات ہیں عوام کے خدا کیساتھ کھیلنے کا مراد ہے ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سوال قابلیت اور عدم قابلیت کا رہا ہی نہیں ۔ پھر ان صورتوں سے جو انتخاب ہو وہ کہاں تک مفاد عامہ کو پورا کرنے والا ہو سکتا ہے ۔

اس کا نتیجہ یہ ہر کہ موجودہ جمہوریت درحقیقت ایک جماعتی ہتھیار ہے جس میں چند لوگ بطور سازش شریک ہوتے ہیں اور تمام افراد جمہور کو مکر و فریب جیلہ و مزدور و غیرہ سے اُسی کا پابند بنا لیتے ہیں ۔

اسی وجہ سے وہ اس دامن جو دنیا میں ہونا چاہیے وہ نہ اُس انتظام میں نہ تھا اور نہ اس وقت کے انتظام میں ہر ۔ نہ اس وقت کمزور لوگ طاقتوروں کے ظلم کر

میں جائیگا کہ بڑی مجلس ہوگی۔ چلنا ضرور چاہیے۔ حالانکہ اُس کے بڑے ہونے کی تشکیل خود انہی لوگوں کے اجتماع سے ہوگی جو اس خیال کو دلیں جگہ دے ہوئے جا رہے ہیں۔

معلوم ہوا کہ عوام کی مثال اکثر و بیشتر اُن تنکوں کی سی ہے جو سیلاب میں ہتھوڑے ہزاروں کو س چلے جاتے ہیں۔ اُنکے نہ قوت ارادی ہوتی ہے اور نہ کوئی بلے۔ پھر ان افراد کی اکثریت کیا صحت و اصابت کی ذمہ دار ہوتی ہے اور ان کے فیصلہ کو کب جمہوریت کے مفاد کا صحیح پورا کرنے والا سمجھا جاسکتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ عوام کی کارستانیاں۔ طرح طرح کے معاہدے اور جھوٹی طفل تسلیاں عیوب کی پرندہ داری اور محاسن کا اعلان و اظہار، مضرت سال کو ششوں کو منفعت کا لباس پہنانا اور ان باتوں کو جو مفاد عام کے خلاف کی گئی ہوں خدمت خلق کا بیس بدل کے پیش کرنا۔ اپنی غلطیوں کا انکار اور ان کی بیجا تاویل۔

ایک بات اور کہ عوام کا حافظہ کمزور ہوتا ہے اگر کسی ممبر سے دوران سال میں شکایات بھی پیدا ہوتے اور عوام میں اُس کے خلاف ہرجاں بھی پیدا ہوا لیکن تباہی پرانی ہو گئی تو اُس کا کچھ اثر نہیں۔ اب جب انتخاب کا موقع آیا تو وہ آدمی گویا بالکل نیا ہے اس وقت میں اُس سے بڑھ کر کوئی ہمدرد نہیں۔ پھر تین سال تک یعنی دو سکر انتخاب کے وقت تک جو حال رہا، پھر گریہ کریں گے افسوس ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ شخص ایسا نکمے کا اور بھروسہ جو بے موقع آیا تو وہی کہا جاتا ہے کہ نہیں اب کی یہ ٹھیک ہے جو جائیگا حالانکہ ممبر جرح المجرور و بدنامتہ "آزفہ را از مودن جہل است"

وہ لڑائی لڑ رہی تھی اس جنگ کے مقابل میں جو در تہذیب تمدن میں برپا ہوئی۔
 اتنی بڑی دنیا کے اس دامن کو صدمہ پہنچانے والی کا رزار ہا سی آنکھوں کے
 سامنے آچکی اس کے بعد ہم کیسے سمجھیں کہ دنیا جس تہذیب تمدن کی علمبردار ہے
 وہ حقیقتہً اصلاح عالم کا دوسرا درجہ۔

آپ اصلاح عالم کی علمبردار طاقتوں کو دیکھیے وہ کتنے تدابیر کر رہے ہیں کہ
 دنیا کا نظام درست ہو اور تصادم کی صورتیں مفقود ہوں۔ مجلسِ توام قائم کی گئی
 تمام ممالک کے دوسرا نمائندے جمع ہوں تمام معاملات کو یکجہتی و ہم آہنگی، تعاون
 باہمی کے ساتھ طے کریں لیکن اگر اس مجلسِ توام کے اراکین خود غرضی کے جذبات سے
 علیحدہ ہوتے یعنی اپنی شخصیت اور جاہلی و ملکی انفرادیت کو فدا کر کے دوسروں عامہ
 خلق کے مفاد کو پیش نظر رکھتے تو ان کے ذریعے امن و امانِ عالم ضرور درست ہو جاتا
 مگر جب صورت یہ ہو کہ زبان پر ”عالم“ اور دل میں ”ہم“ زبان پر یہ کہ دنیا کی تعمیر
 مقصدِ دادرل میں ہے کہ اپنی طاقت میں اضافہ اور اپنا زیادہ سے زیادہ فائدہ۔ تو اب
 سوال اس کے کہ کاغذ کے صفحات پر اسنادِ جنگ بتجفیفِ صلح۔ صلح عمومی و عہدے
 کے تبادیل نہایت ہو جائیں۔ مقامِ عمل میں اس کے خلاف طرزِ عمل قائم رہے زبان پر
 یہ کہ لڑائی نہ ہونا چاہیئے اور عمل یہ کہ ہر ملک زیادہ سے زیادہ سامانِ جنگ کی
 طیارہ میں مصروف اور اس مقصد کے لئے زیادہ سے زیادہ ردِ پیہ صرف کرنے
 کے لئے موجود۔ بڑے بڑے کارخانے۔ نئے نئے ہولناک حربے طریقے اور دنیا کو

محفوظ تھے اور اس وقت محفوظ ہیں۔ عدالتیں ضرور قائم کی جاتی ہیں۔ مگر کسی کو کیا معلوم کہ کتنے غلط مقدمات حق بنائے جاتے ہیں اور کتنے سچے استغاثے مسترد ہو جاتے ہیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ درحقیقت دنیا جس اصلاح کی طالب ہے وہ اصلاح کسی طرح اس جمہوریت کے نظام میں نہیں ہوتی جسے دنیا نے خوش آئند سمجھ لیا ہے۔

تہذیب تمدن کے مایہ فساد کی کافرمانی



دنیا کی ترقی یا تنزل کی رفتار

اُن چیزوں میں سے جو اصلاح کی ذمہ دار ہیں لیکن عملی طور پر فساد میں مرتکب کی جاتی ہیں ایک تہذیب تمدن کا آئین ہے اور اس زمانہ میں جبکہ مذہب کی طاقت کمزور بنا دی گئی ہے۔ دنیا کے تمام سلاطین اور ترقی یافتہ اقوام اپنے تئیں اسی چیز کا علمبردار بتلاتے ہیں یعنی تمدن و تہذیب کا لیکن اس تمدن و تہذیب پر وہ میں عالم میں کیسے فسادات برپا ہوئے، اس کو جنگ عظیم سے پوچھئے۔ وہ مہابھارت کی لڑائی جس کے متعلق اب لوگوں کو شبہ ہے کہ وہ اصلیت کھتی بھی ہے یا صرف حق و باطل کی طاقتوں کے تصادم کی ایک تمثیلی صورت ہے۔

ثابت ہوئی ترقی کس طرح نمایاں ہوئی؟ وہی جان لینے کا امکان بڑھا۔ اس کے مختلف
 طرح کی چیزوں کی ایجاد ہوئیں۔ توہیں ایجاد ہوئیں، گو لے بنے۔ ایسے گولے جھینٹے
 کے بعد شددا شخاص کو ایک ساتھ زخمی کر سکیں یا فنا کریں۔ توہیں ایسی جن کے گولے
 بڑی بڑی عمارتوں کو مسمار کر دیں۔ دیکھئے تہن ترقی کر رہا ہے۔ تہنیں بگے بڑے
 رہی ہے۔ اصلاح عالم کی کوشش بروئے کار ہو رہی ہے یعنی جان لینے کے ذریعہ بڑے
 سہے ہیں۔ اچھا اب یہ چیزیں کافی ثابت ہوئیں۔ ناکافی کیوں ثابت ہوئیں؟
 اگر مقصد جان کا لینا نہ تھا تو کافی اور ناکافی کا سوال ہی پیدا نہوتا۔ معلوم ہوتا
 ہے زبان سے دعویٰ اصلاح عالم کا لیکن دل میں نصب العین فنا کرنے کا نتیجہ کیا
 ہوا کہ اب ہر ایگے ایس ایجاد ہوئے جن میں نہ دشمن کو آٹکھ سے دیکھنے کی ضرورت
 نہ نشانہ کو تکتے کی حاجت۔ دور ہی دور سے اُس گیس کو مقصودہ فضا میں پھیلانے
 ہر ذی روح کو اُس فضا کی ہلاک کر دیا۔ جس میں کتنے ہی بے جرم تھے اور کتنے
 غیر ذی شعور۔

ترقی اب تک اس نقطہ پر پہنچی۔ ابھی ختم تھوڑی ہو گئی ہے۔ آگے آگے
 دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

یہ انسان کی ترقی اور تہذیب ہے جس پر ناز اور فخر کیا جاتا ہے جس کی بنا پر
 اصلاح عالم کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

ارہوں تک وہیہ سلطنتوں کی جانب سے نظام حربی میں ہر سال منظور ہوتا ہے

فنا کرنے کے تو اسیر۔ پہلے زمانہ کے سلاطین کا رہنمایاں سمجھتے تھے عالم کی تعمیر کرنا اور
 آجکل سرمایہ نماز سمجھا جا رہا ہے عالم کو فنا کرنے کے زیادہ سے زیادہ سامان کرنا۔
 اب بتلائیے کہ اگر یہ چیزیں صرف ہونی والی نہیں ہیں تو بن کیوں رہی ہیں۔
 ہر چیز کا بننا خود اس کے موقع استعمال کا پتہ دینا ہی مثل مشہور ہر کہ "ضرورت
 ایجاد کی ماں ہے۔"

پھر اگر دنیا امن و امان کے راستے پر جا رہی ہے اور صلاح کے جادہ پر کاغذ
 ہے تو ضرورت کہے، ان آلات کے ایجاد کی اور جب ضرورت نہیں تو ایجاد کا محرک کیا ہے؟
 اب ملاحظہ کیجئے۔ ایک وقت وہ تھا کہ جب مواقع جان لینے کے کم تھے مہیا تھے
 خنجر تلوار۔ دھار دار آلات اسکے لئے ضرورت تھی کہ دشمن سے اتصال ہو۔
 اس وقت اسکی زندگی کے فنا کرنے کا سرانجام ہو۔ اسکے منی یہ ہیں کہ امکانات جان
 لینے کے کم تھے۔ دنیا نے جب ترقی کی اور تمدن زیادہ ہوا تو تیر۔ فلاخن وغیرہ
 ایسی چیزوں کی ایجاد ہوئی جن سے حربہ دور تک جاتا ہے۔ امکان جان لینے کے
 بڑھے مگر تیر ایک محدود مسافت تک جانے والا اور ایک محدود دائرہ رکھنے والا۔ اگر
 کسی خاص محل مثلاً سینہ وغیرہ پر پڑ گیا ہے اس طرح کہ توڑ کر نکل گیا۔ تب تو زندگی
 ختم کر دیتا مگر یوں کثیر التعداد تیر ایک انسان کے جسم پر پڑتے اور پھر بھی اسکی زندگی
 ختم نہ ہوتی بلکہ تیر کو کھینچ کر پھینک دینے پر صرف ایک خم ہوتا جو نمایاں ہو جاتا۔ پھر
 زمانہ نے ترقی کی بندوق کی ایجاد ہوئی۔ اسکی گولی تیر سے بھی زیادہ خطرناک

نظام ہی ترقی پسند ہو تو پھر اب یہ متضاد قدم جو اٹھنے لگے جو رفتہ رفتہ قریب
لا رہے ہیں اسی ابتدائی منزل کی طرف بلکہ جماعت انسانی کے ایک طبقہ میں وہ منزل
بالکل آہی گئی ہر ان قاریوں کو میں کیا سمجھوں۔ ترقی کے قدم یا منزل کے؟

نظام اجتماعی اور نظام معاشرتی میں ایک دوری حرکت نظر آ رہی ہو۔
مادی تاسیخ کے روسے ایک وقت میں انسان جانوروں کی طرح "فطرت" کی مادی
زندگی گزارتا تھا۔ لباس نہیں۔ مکان نہیں۔ رفتہ رفتہ خیال پیدا ہوا کہ ہم کو
لباس کی بھی ضرورت ہے۔ مجموعہ عالم انسانی کو ایک متوازی حیثیت سے یہ احساس
پیدا ہو رہا ہے۔ اسے میں نتیجہ ترقی سمجھوں یا صورت منزل۔ اگر نتیجہ منزل تو وہ
آپ کا نظریہ کہ دنیا بالطبع ترقی کی طرف مائل ہو اور ہر نوع اپنے حدود میں آگے
بڑھتی رہتی ہو یہاں تک کہ جب اس نوع کے حدود میں ترقی کی تسلیں ختم ہو جاتی
ہیں تو وہ دوسری بالا نوع کی طرف منتقل ہو جاتی ہے لیکن ترقی سے باز نہیں رہتی
اگر شریعت کے پیدا شدہ احساسات معاشرتی و تمدنی کو میں نوع انسان کا منزل
سمجھوں تو یہ ماننا پڑے گا کہ طویل زمانہ تک عالم انسانی مائل بہ منزل رہا ہے۔ وہ
سب پہلو نقطہ جو تھا یعنی نظریہ سافج کا وہ نقطہ ترقی تھا اور اسکے بعد جب اسکو
مکلفات و تصنیعات کی طرف توجہ پیدا ہوئی تو یہ سب قدم پستی کی طرف جانے والے
تھے لیکن یہ آپ کے ہول کے خلاف ہو۔ آپ کی بنا پر جو قدم انسانیت نے اٹھا یا وہ
ترقی ہی کی طرف تھا۔ ان قدموں کے منانے میں یہی آگے بڑھتے رہے پہلے احساس

اور ہر حکومت اس کا فیصلہ میں اپنی قدرت و طاقت بھر حصہ لیتی ہے۔ اس کا نام ہر تہذیب اور یہ ہر تمدن جو اپنی ترقی کے ساتھ دنیا کی بربادی کا سامان ہیکر پہنچے۔ اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ عالم ترقی کر رہا ہے مگر ترقی کر کے ہر شے اپنی ابتدائی منزل سے دور ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ ہر چیز کو ابتدائی نقطہ پر آجائے۔ آپ پتھر مکان سے روانہ ہوئے مدرسۃ العظیمین کے ارادہ سے بھڑکی دیر میں دیکھا تو پھر انہی مکان کے دروازہ پر تھے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو قدم آپ منزل مقصد تک پہنچنے کے خیال سے اٹھا رہے تھے وہ معکوس حیثیت رکھتے تھے اور جہاں سے چلے تھے وہیں سے قریر لے رہے تھے دنیا برابر چلتی رہی اگر بہ ترقی ہی کرتی رہتی تو اب اس کے دور وحشت کو پھر واپس آنا چاہیے تھا۔ وہ ابتدائی بہیمت کا زمانہ جبکہ انسان برہنہ رہتا تھا اور اسے لباس کی ضرورت نہ تھی جبکہ آفتاب کی شعاعیں پوری طاقت سے اس پر پڑتی تھیں اور اس میں غیر ارادی طور پر بھی وہ روزانہ نہایا کرتا تھا۔ یہ دور تھا جس سے بقول ارباب دتھا انسان کی ابتدا ہوئی تو اب اگر حقیقتہً دنیا نے ترقی کی ہو اور یہ نظام ہی ترقی پر مبنی ہو تو ماننا پڑے گا کہ وہ ابتدائی نقطہ سب سے پہلے تھا جس کے بعد انسانیت رفتہ رفتہ آگے بڑھی ضرورت محسوس ہوئی لباس کی اور لباس میں تنوع پیدا ہوا اور تدریجی زیادتی ہوئی یہاں تک کہ مختلف ممالک میں مختلف طرح کے لباسوں کی ایجاد ہو گئی۔

اگر یہ تمام قدم جو اٹھ رہے تھے ترقی کے تھے اور ہونا یونہی چاہیے جبکہ عالم کا

منزل کے قدم ہیں جن کا نتیجہ ہر دہریاتی جو درادل میں انسان کے لئے حاصل تھی۔
 بات یہ ہرگز انسان جب تک اسے میں ہر وہ صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا کہ یہ راستہ
 منزل سے قریب کی راہ ہے یا دور کی جب نتیجہ سامنے آجائے اور آخر میں دیکھے کہ جہاں
 سے چلا تھا وہیں پہنچ گیا تو معلوم ہوگا کہ یہ سب کام لٹے تھے لیکن یاد رکھنا چاہیے
 کہ یہ ایک ہی دفعہ صورت نہیں پیش آسکتی بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بہت پہلے سے
 راستہ غلط ہو گیا تھا اور رخ بدل چکا تھا۔ آپ کے خطوط سیر کے سطحی حدود میں کوئی
 نقطہ ایسا تھا کہ اُس نقطہ کے بعد اگر آپ کسی خاص طرف گئے بڑھتے تو جاہد پانی ٹھیک
 ہوتی لیکن اُس نقطہ کے بعد آنے کوئی ایسا پھیر کھا لیا جس کے بعد اب جو قدم بھی
 آپ نے اٹھا یا وہ پیچھے لانیوالا تھا آگے بڑھنے والا نہیں لیکن اس کا بہتر آپ کو اس وقت
 چلے گا جب ایک مرتبہ آپ کے سامنے آپ کا وہی مکان آجائیگا جہاں سے کہ آپ نے دناں ہو گئے
 اسی صورت سے نوع انسانی کی رفتار کو دیکھیے۔ ہم چلے تھے کہاں سے برسنگی کی
 منزل سے بڑھے اور بڑھتے چلے گئے اور نہ معلوم کب تک حقیقت بڑھتے رہے اسکے بعد ہم نے
 قدم روکے نہیں چلنا جاری رکھا اور سمجھتے ہی رہے کہ بڑھ رہے ہیں لیکن واقعا اب قدم
 پیچھے ہٹ رہے تھے اور رجعت کی طرف میلان تھا یہاں تک کہ ہم نے آنکھیں کھولیں
 تو نوع انسانی اُسی دروازہ کے سامنے نظر آئی جہاں سے چلی تھی یعنی برسنگی کا دروازہ
 کیا اب بھی ہماری سمجھ میں نہیں آئیگا کہ ہمارا راستہ مدتوں سے غلط ہو گیا تھا اور
 جسے ہم ترقی سمجھ رہے تھے وہ حقیقت منزل تھا۔ اور کچھ نہیں۔ وہ فساد تھا جسے ہم صلاح

پیدا ہو کہ بالکل برنگی ابھی نہیں شرم و حیا کا جذبہ پیدا ہوا اور ضروری و مخصوص اجزاء جسم کے ستر کا احساس پیدا ہوا پھر اس پر اضافہ ہوتا رہا۔ آخر میں تمام جسم پر لباس آیا۔ اب یہ درجہ انتہائی حد کو پہنچ گیا یعنی پورا جسم انسانی ڈھنگ گیا۔ لیکن اس کے بعد ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جیسے ہلال کے بدربننے کے بعد پھر قمری رفتار شروع ہوتی ہے اسی طرح یہ معاشرت انسانی اس منزل پر پہنچنے کے بعد کھیلے باؤں بٹنی یعنی جس طرح تدریجی حیثیت سے اضافہ ہوا تھا اسی طرح تدریجی حیثیت سے تخفیف شروع ہوئی، لباس کے طویل و عریض ہونے کے بجائے اختصار کی طرف خیال گیا۔ باؤں کے کھلے کلاہیاں کھلیں، کنڈیاں کھلیں، بازو کھلے سینہ پر کھلا کھلا، حلق کھلا دھندھکی کا حصہ کھلا۔ گریبان کے حصہ کا سینہ کھلا۔ سپرد میں گئے کھلے، پنڈلیاں کھلیں، گھٹنے کھلے اور رانوں تک نوبت پہنچی اب یہ رفتار اپنی انتہا تک یعنی نقطہ ابتدائی تک پہنچ گئی تحریک برنگی کے ذریعے جو اس وقت مالک تمدن میں برابر برہم رہی ہے اور خود آج کے ہندوستان میں اسی جماعت پیدا ہو گئی ہے جس کا خیال یہ ہے کہ برنگی انسانوں کے لئے مفید ہے۔

پیکوس قدم اٹھے اور پہلی منزل تک پہنچ گئے جہاں سے کہ چلتے تھے تو اگر ابتدائی قدم جو عالم انسانی نے اٹھائے تھے وہ ترقی کے قدم تھے اور ضرورت کے کنوینکشن ابتداء انسانیت کی یقیناً پستی سے تھی اور پھر ملندی حاصل ہوئی تو اننا پر ہکا کہ یہ قدم جو اب اٹھ رہے ہیں اور پہلی منزل کی طرف کشاں کشاں لئے جا رہے ہیں یہ

خیر باد کہا۔ ان سب باتوں کے بجائے بطنع آگیا۔ فریب کاری آگئی۔ ملیع ماری آگئی۔ اگر اس کا نام ہے ترقی تو بے شک عالم انسانیت ترقی کر رہا ہے۔ تو بیشک تمدن اور تہذیب اپنے انتہائی نقطہ کمال تک پہنچ گیا ہے لیکن حقیقت یہ تمام صورتیں فساد کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور وہ تمدن و تہذیب جو مصلح عالم کے نام سے دنیا میں برے کار ہے وہ ایک بڑا ذریعہ ہے دنیا کو فساد کے راستے پر پہچانے کا مگر تفرقہ کو نکھر ہو اس لئے کہ دنیا ظاہر پرست ہو اور ظاہری حدود میں بلندی ہی بلندی ہے تب ہی کام نہیں پھر کیونکہ یقین کیا جائے کہ یہ بلندی اصل الہی ہے اور یہ ترقی حقیقتہً تنزل۔

طبائع انسانی میں فساد کے تقاضے

فساد کا تقاضا انسان کی طبع میں اُن مادی خصوصیات کی بنا پر پایا جاتا ہے جو انسان میں اس کی جسمانی حیثیت سے دولیت ہیں کیونکہ انسان بحیثیت جسمانی تمام کائنات کا لب لباب ہے یعنی اس میں جادیت کے آثار بھی ہیں نباتیت کے آثار بھی ہیں اور اسی طرح جو انسانیت کے آثار بھی پائے جاتے ہیں اور ان آثار کے لازمہ میں نقائص اس میں پیدا ہوتے ہیں جن کا دفعیہ اور رد عمل اُن خصوصیات سے ہوتا رہی جو اس میں بحیثیت انسانی دولیت ہیں۔

اس مادیت اور روحانیت کی سموئی ہوئی کیفیت کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اس میں

سمجھ رہے تھے وہ تخریب تھی جسے تعمیر کے نام پر کیا جا رہا تھا۔
 معلوم ہوا کہ یہ تمدن اور تہذیب جو مصلح عالم کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے یہی
 ہمیں فساد کی طرف لئے جا رہا ہے۔ میرے کتہوں کا اس وقت دنیا میں ہی وحشت ہی اہمیت
 دی ہو نہ کہ موجودہ پوزیشن پر ان کی دوزخ کتوں کا ہڈیوں پر پڑنا۔ بیویوں کا ایک دوسرے کو
 دیکھ کر غراتا مینٹھوں کا آپس میں سر ملنا۔ بھیر لویں کا بھیر دلوں کو شکار کر لیا
 اور جبر بھاڑ کر اٹھانا سب اس "ترقی یافتہ" "ہند" "تمدن" انسان میں پایا
 جا رہا ہے بلکہ اسکی ضرر رسائی اور خطرناکی میں اضافہ ہو گیا ہے اسلئے کہ ان تمام باتوں
 میں فطرت والی سادگی یا سچائی باقی نہیں رہی ہے بلکہ مکارانہ تصنع اور جھلسازانہ
 نبوٹ کا غلاف چڑھ گیا ہے یعنی سابقہ زمانہ کا انسان اگر جانور تھا تو سچلے لوٹ
 جانور اور اب انسان جانور بھی ہے اور جھوٹا مکار اور غاباز جھلساز بھی ہے۔
 وہ طاقت اور اقتدار کا مظاہرہ صرف اپنی فرنگی کی بنا پر کرتا تھا اور عملاً ظاہر کرتا تھا کہ
 وہ دزدہ ہے لیکن اب کا انسان یا جانور اپنی فرنگی کو نفع کے نظریہ کا لباس پہنا دیتا ہے۔
 آفتاب کی شعاعوں سے دوڑ رہی ہیں انسان ہمیشہ متمتع ہوتا تھا لیکن وہ
 آفتابی غسل "کافر تک در نام نہیں جانتا تھا۔ اب یہ نام ایجاد ہو گیا اس لئے
 سچے بھالے لوگوں کو اس کی افادی حیثیت کا یقین بھی دلایا جاتا ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ فساد طبع میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ برے اوصاف
 جنہ جیسے ہی طرح قائم ہیں لیکن فطرت کی سچائی رخصت ہو گئی اور سادگی چلی گئی خلوص

انکے لئے انسانوں میں مفسد اور مصلح دونوں طرح کے نمونے پائے جاتے ہیں اور چونکہ مصلح اور فساد دونوں ذرائع کے محتاج ہیں اس لئے بہت سے ان انسانوں میں جو ظاہر میں کچھ بھی نہیں مصلح ہیں نہ مفسد صلاحیتیں ایسی موجود ہیں کہ اگر ان کے ساتھ اسباب شرکیہ مل جاتے تو ان سے بڑھ کر مصلح یا مفسد کوئی نہ ہو۔

یہ ظاہر ہے کہ جب تک کسی طرح کا اقتدار نہ حاصل ہو اور سی قوت کا سہارا نہ ملے اس وقت تک کسی طرح کی کوشش بار آور نہیں ہو سکتی نہ کوشش مصلح اور نہ کوشش فساد ممکن ہے کچھ لوگ ایسے نیک دلیوں کو ان کے دل میں بہتے ارادے ہوں مصلح عالم کے مگر وہ بے دست پاد ہونے کی وجہ سے اپنے ان ارادوں کو مقام عمل میں لاسکتے ہوں یہ لوگ اپنے ضمیر اور اپنی نیت کے لحاظ سے صلاح و مصلح ہیں مگر دنیا میں مصلح ہونے کے لئے جن اسباب کی ضرورت ہو وہ اسباب ان کے پاس مفقود ہیں۔ اسکے برعکس بہت سے لوگ دنیا میں ایسے ہیں کہ جو فساد کا نہر لکھتے ہیں اور مفسد پرورد ہیں۔ اگر ان کو موقع ملے تو فساد برپا کریں اور عالم کو خرابی کے اس نقطہ تک پہنچا دیں جس کے بعد مصلح غیر ممکن ہو مگر ان کو ایسے مواقع حاصل نہیں ہیں۔

وہ اپنے خیالات کی نشر و اشاعت کا سامان نہیں پاتے اور نہ اتنا اقتدار رکھتے ہیں کہ جو بات کہیں اُسے لوگ مان لیں اور تسلیم کر لیں۔

بلندی اور سبب دونوں کی انتہائی صلاحیتیں پیدا ہو گئی ہیں یعنی وہ بڑے تو فرشتے سے
 بالاتر ہو جائے اور گھٹے تو حیواناں سے بدتر ہو جائے۔ فساد انسان کی ادنیٰ حیثیت کے
 تار یک پہلو کا نام ہے اور اسی لئے جب اس نوع کے مخلوق پیدا ہونے کا سوال آیا
 تھا تو جمعی اس کے اس تار یک پہلو پر نگاہ انتقاد پہنچ گئی تھی اور اسے فساد کا مرکز
 سمجھ لیا تھا۔ واذ قال ربك للملك اذا نبى جاعل في الارض خليفة قالوا
 اتجعل فيها من يفسد فيها ويهلك الدماء۔

”جب کہا گیا قدرت کی طرف سے کہ میں زمین میں ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں
 جو میری خلافت کے فرض کو انجام دے تو ملائکہ نے کہا کہ کیا ایسا مخلوق مقرر کیا جائیگا
 جو اس زمین میں فساد پیدا کرے اور غول ریزیاں کرے۔“

بے شک یہ فطرت انسانی کا تار یک پہلو ہے اور اسی کا روشن پہلو وہ ہے جو
 ان فسادات کو روکنے کا باعث ہوتا ہے جسے خدا نے انی اعلم ولا تعلمون
 کے مبہم الفاظ میں مضمر رکھا۔

ان دونوں متضاد پہلوؤں کا نتیجہ ہے کہ کبھی انسان اس پہلو کی طرف
 جھک جاتا ہے اور فساد بن جاتا ہے اور کبھی اس پہلو کی طرف تو مصالح بن جاتا ہے
 اسلئے یہ انسان دنیا میں شیطان کا مجسمہ بھی ثابت ہوتا ہے اور رحمن کا مائید بھی
 قرار پاتا ہے یہ انسان عالم میں گمراہ کن ہوتا ہے اور ہی انسان دنیا میں مجسمہ
 ہدایت بھی۔

طاقت ہو یہ علمائے مذہب کا طبقہ ہے اور دوسرے وہ جس کے پاس سلطنت کی طاقت ہو یہ سلاطین و ملوک ہیں۔

یقیناً اصلاح عالم کی یہ سب سے بڑی دو طاقتیں ہیں۔ اسکے بعد دوسرے ہر جہودی اسباب میں جو ایک انسان کی بات کو قابل پذیرائی بناتے ہیں جیسے خوش بیان مقررین، خوش تحریر افشا پرداز، خوش فکر شعرا وغیرہ لیکن یہ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا اگر اکثر پہلی دو قسم کی طاقتوں کے زیر اثر کام کرتے ہیں اور ان کا اثر بھی جزئی حیثیت رکھتا ہے کلی و نوعی نہیں ہوتا اور نہ زیادہ دیر پا۔

علمائے مذہب کی مصلحانہ حیثیت

پہلا طبقہ علمائے مذہب کا، اگر حقیقت میں نیا کو مذہب کی ضرورت ہے تو علمائے مذہب کی بھی ضرورت ہے کیونکہ یہ عالم کے نظام کے خلاصہ کے دنیا میں ہر شخص ہر چیز کا ماہر ہو سکے جس طرح ہر چیز کے لئے ایک مخصوص طبقہ ہوتا ہے اور ایک مخصوص جماعت تقسیم عمل کے اصول کے مطابق کوئی ایک طبقہ دکلا کا ہوگا۔ ایک طبقہ اطباء کا۔ اور اسی طرح تمام ضروریات انسانی کے لحاظ سے تجار اور معمار وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح ایک طبقہ علمائے مذہب کا بھی ہوگا اور یہ بھی دنیا کے اصول پر مبنی ہر کوئی نئی چیز نہیں کہ ہر شعبہ میں رجوع ہونا چاہیے اسی طبقہ کی طرف جو اس شعبہ کا ماہر ہو یعنی ہیں کوئی صند و تچہ بنانا ہو تو ہم جانتے ہیں تجار کے پاس۔ ہم کو کسی مقدس کی پیروی کرنا ہو تو

صلاح اور فساد کی ذمہ داری و تقویٰ کی تشریح

میں نے اقسام فساد کے ذیل میں جلالاً ان اشخاص اور جماعتوں کا ذکر کیا ہے جو صلاح و فساد کی ذمہ دار قرار پاتی ہیں۔

بات یہ ہو کہ صلاح اور فساد انسان کا جب تک متعدی شکل اختیار نہ کرے مصلح یا مفسد ہو نہ سکا۔ امکان پیدا نہیں ہوتا۔ اور اس اثر کے متعدی ہونے کے لئے یعنی دوسرے اشخاص کو اشخاص کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے یا اس کے افعال کی پیروی کرنے کا کوئی خاص سبب ہونا چاہیے۔ درہ ظاہر ہے کہ ہر انسان بجائے خود دوسرے انسانوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتا اور یہ سبب صرف یہی ہے کہ اس انسان کو کوئی ایسا تفوق ہو دوسرے افراد پر جو ان کو اس کی بات ماننے پر آمادہ کرے یا اس کی سی طرح کی جاذبیت پائی جائے کہ لوگوں کو اپنا کردیدہ بنا سکے۔

جب یہ ہو گا تب ہی یہ انسان دوسرے اشخاص پر اثر انداز ہو سکتا ہے! با اگر وہ نیک نیت ہو اور بجائے خود صالح ہے تو وہ مصلح بنے گا اور اگر بد نیت ہو تو مفسد اس کا لازمہ یہ ہے کہ جو طبقہ دنیا میں بہترین مصلح کر سکتا ہے وہ ہی بدترین افساد بھی کر سکتا ہو اور جو عالم کی تعمیر کر سکتا ہے وہ ہی اہتمام و جدوجہد سے بھی کر سکتا ہے۔

اوجہ طبقہ جو دنیا میں مصلح کے ذمہ دار ہیں اور حقیقتہً ان کے ذریعے سے دنیا میں مصلح ہوتی ہے اور جو کچھ ہی بد دو طبقے ہیں۔ ایک وہ طبقہ جس کے پاس مذہب کی

تو ان کو جمع کرنا بھی علمائے مذہب کی طرف ضروری ہوگا۔

اب اگر فرض کیا جائے کہ کوئی خاص شخص مدعی ہے کہ میں خود احکام شرع کو سمجھ سکتا ہوں اور اے قائم کر سکتا ہوں تو وہ اپنے اس دعوے کے لحاظ سے میرے موضوع بحث ہی سے خارج ہوگا کیونکہ میں تو ان لوگوں کو کہہ رہا ہوں جو واقف ہیں اور خود علمائے قائم نہیں کر سکتے انہیں بہر حال ضروری ہو کر دریافت کریں ان لوگوں سے جو خود سمجھ سکتے ہیں اور اے قائم کر سکتے ہیں اس پہلی قسم کے لوگوں کا نام ہے مقلدین اور دوسری جماعت کا نام ہے مجتہدین۔

تقلید پر گزری مریدی نہیں ہے۔ نہ وہ حلقہ بیعت ہے۔ نہ وہ خط غلامی ہے بلکہ وہ مریدی جو دنیا کے ہر شعبہ میں کار فرما ہے اور جس سے نظام زندگی میں گریز و گریز نہیں ہی جماعت اصلاح خلق کی ذمہ دار ہے۔ اور غیر ممکن ہے کہ علمائے مذہب اپنے حقیقی علوم کے اعتبار سے کمی فساد پیدا کریں۔ مگر جس طرح مذہب کے پائے میں نے کہا تھا کہ ایک بڑا حقیقی مذہب ہمیشہ اصلاح خلق کا سبب ہوتا ہے اور دوسری نافرمانی اور ملیع کار مذہب کی صورت ہوتی ہے۔ یہ فساد کا ذریعہ ہوتی ہے۔

اسی طرح علمائے مذہب میں جو ہوتے ہیں حامل حقیقت مذہب کے وہ اصلاح ہی کرتے ہیں۔ فساد کمی نہیں پیدا کرتے ہیں اور جو اس ناشکی شکل اور ملیع کا صورت کے حامل ہوتے ہیں وہ بے پناہ فساد کا ذریعہ قرار پاتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ جو سب سے زیادہ قوی ترین ذریعہ اصلاح کا ہے جب فساد کی طاقت

ہم جلتے میں کدیل کے پاس کسی مریض کا علاج کرا کر آیا ہو تو جاتے ہیں حکیم۔ ڈاکٹر کے پاس
یونہی زندگی کے ہر شعبہ میں جو اس شعبہ سے ناواقف ہو گا وہ رجوع کرے گا۔ اُس کے واقفکار
کی طرف۔ ایک طبیعے نسخہ لکھا تو آپ یہ نہ پوچھے گا کہ یہ دوا کیوں دی اور وہ دوا
کیوں ایک انجینیر نے نقشہ مرتب کیا تو یہ ضرور یافت کیجے گا کہ یہ چیز اس طرح کیوں اور
وہ اس طرح کیوں۔ اس لئے کہ یہ تو ایک چیز ہے نظام کے مطابق کہ جب ایک انسان واقف
ہو اور اپنی ناواقفیت کا احساس بھی رکھتا ہو اور دوسرا واقف ہو تو وہ اس کے سامنے
ترتیب تسلیم کر دیتا ہے یہ ناواقف اور واقفکار کی تفریق دنیا کے ہر شعبہ میں مقرر ہو رہی۔
یہ اور بات کہ جو شعبہ بحیثیت اہمیت اور بحیثیت ضرورت بلند ہو اس کے
جاننے والوں کو عزت زیادہ حاصل ہو اور جو شعبہ بجا اہمیت و ضرورت آپ کی
نظر میں کم ہے اُس کے جاننے والوں کے لئے خصوصیت کم حاصل ہے لیکن بحیثیت
واقف ناواقف ہر شعبہ میں دو طبقے قائم رہتے ہیں۔

اگر مذہب کی ضرورت سے تو ضرور ایک طبقہ ایسا ہو گا جو مذہب کے احکام سے
واقف ہو اور باقی لوگ اس سے ناواقف ہوں گے اور اس صورت میں اُن ناواقف
افراد کو اس واقفکار جماعت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوگی۔

بیشک اگر ہر شخص اتنی قابلیت حاصل کرے کہ وہ مذہب کے احکام کو خود سمجھ سکے
تو ہر شخص کو حق ہو گا کہ وہ اسے قائم کرے لیکن جبکہ دنیا کا نظام اس کی نظیر پیش
کرنے سے قاصر ہو اور ضرور کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ جو احکام کے سمجھنے سے قاصر ہیں

ان صرف اعضا و جوارح میں تبدیلی ہوتی۔ نہ صرف لباس وضع قطع میں تغیر ہوگا بلکہ اسکی اصلی روح تبدیل ہو جائے گی اور پھر تمام کالبد بشری اپنی اس صورت پر قائم نہیں رہے گا۔

بادشاہ کے احکام چونکہ ادنی طاقت پر مبنی ہیں اسلئے ان کا اثر اتنی قوت تک نہ پہنچے جتنا کہ سلطنت قائم ہے لیکن جب بادشاہ تخت سلطنت سے اتر یا مر گیا بس اب نیا بدل گئی۔ اب جو نیا بادشاہ ہوگا اسکے احکام پر دنیا عمل سیرا ہوگی لیکن روحانی اثرات اور مذہبی خیالات جو غلط رہنمائی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں ان سے دماغ و عقل میں تبدیلی ہو جاتی ہے اسلئے وہ اتنے دیر پا ہوتے ہیں کہ چاہے وہ دنیا دنیا سے چلا جائے لیکن دنیا اس کے تباہ ہوئے راستے پر گامزن رہتی ہے۔ اس لئے یہ چیز سب سے زیادہ خطرناک اور سب سے زیادہ موجب گمراہی خلق ہے۔

وہ یہود کے عالم ہی تھے جنہوں نے فتویٰ دیا کہ مسیح کو سولی پر چڑھا دیا جائے اور اسی طرح ہر زمانہ میں جو فسادات برپا ہوئے ان میں منع کار علماء فسادات کے ذمہ دار قرار پاتے رہے۔

اسی لئے وہ افراد جو حقیقی مذہب کے علمبردار تھے انہوں نے ہمیشہ دنیا کو لگاؤ نہ کرنا جو فردش، اشخاص کے فریب سے خبردار کیا۔ اور بتلایا کہ تم ان سے دھوکا نہ کھانا اور سمجھنے کی کوشش نہ کرتے رہنا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ کون کھرا ہے اور کون کھوٹا۔ کون حقیقت کا سالک ہے اور کون مجاز کو حقیقت کے لباس میں پیش کر رہا ہے۔

اُس ذریعہ کا جس پر کوئی یعنی اُس پردہ کو اپنے اوپر ڈال لے گی تو وہ قوی ترین ذریعہ فساد کا قرار پاجائے گی۔

مثلاً جائز اور ناجائز کی کم قیمت کی چیز اور سونا زیادہ قیمت کی چیز ہے تو اب جائز کی کاٹیں ہو تو وہ زیادہ فریب دہ ہوگا یا سونے کا ٹیلا اگر چڑھا دیا جائے تو وہ زیادہ فریب دہ ہوگا۔

جس چیز کی واقعیت زیادہ پر اہمیت اور بیش قیمت ہوگی اسی کی نقلی صورت زیادہ گمراہ کن اور مضرت ساں ہوگی اور جس چیز کی اصل کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی اُس کی جھوٹی شکل کوئی خاص ضرر رساں نہوگی۔

یہ حقیقت مذہب کی انتہائی مصلحانہ طاقت ہے کہ اُس کا نام انتہائی ذریعہ فساد کا بن سکتا ہے اور یہ علمائے مذہب کی انتہائی مصلحانہ عظمت ہے کہ اُن کی نقل اختیار کرنے والے صحابہ زیادہ ذریعہ فساد بن سکتے ہیں۔

اسی بنا پر یہ کہا گیا کہ اذا فسد العالم فسد العالم حقیقت نہو مجاز ہو۔

آب نہو سراب ہو۔ غیر عالم عالم نہجائے۔ اسیکے اخلاق فاسد و خراب ہوں تو عالم میں فساد پیدا ہو جائیگا کیونکہ جتنے دوسرے فسادات ہوتے ہیں اُن کا تعلق زندگی کے کسی ایک شعبہ کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً معاشرت کے ساتھ یا سنگے ساتھ اخلاق کے ساتھ لیکن مذہب کی وہ طاقت ہے جو دنیا کے تمام شعبوں میں کار فرما ہوتی ہے اسلئے اگر اکیلے انسان مذہبی فساد میں مبتلا ہو جائے تو نہ صرف اُس کی شکل و شمائل بگڑے گی

جمع میں بیٹھ کر بڑی تیزیاں دکھلاتا ہے۔ فتنہ و خباثت کی تاریکیوں میں خوب ڈرتا رہتا ہے۔
 صلاح و رواداری میں جو برکات ہیں ان سے اندر معانا ہوا ہے۔ انسان نما جانوروں
 یعنی ہم ہمارے انسانوں نے اس کا نام عالم رکھ لیا ہے حالانکہ وہ عالم نہیں ہے۔
 بلکہ فاسک و من جمیع مائل منہ خیر خاک و "اٹھادہ اور جمع کیا
 اس نے ایسے معلومات کے ذخیرہ کیا کہ اگر وہ ذخیرہ کم ہوتا تو اس کثرت سے بہتر تھا۔
 کیونکہ وہ باتیں وہ ہیں جو خلق خدا کے حقیقی علوم و معارف کو مرد کرتی ہیں اور ان کی کٹی
 عقلی حیثیت سے تباہ کن ہیں۔

حتیٰ اذا امرتونی من احسن واکت ذمن غیو طاعل حلس بین الناس
 قاضیا ضامنا التخلیص المتب علی غیوہ -

"یہاں تک کہ جب اس پر بودار پانی سے سیراب ہو چکا یعنی بنجالی خود فارغ التحصیل
 ہوا اور وہ بیوقوف نہ سمجھ کر چکا تو بیٹھ گیا لوگوں کے درمیان قاضی بن کر ان مسکین
 صل کی ضمانت کر کے جو دوسروں پر شائبہ ہو گئے ہیں۔

فان نزلت بہ احدی بلغمہا تیا لها حشوا را نامن رأیہ ثم قطع بہ فحو
 من لبس البشام فی مثل سنج العنکوت -

"اگر اس کے سامنے کوئی مشکل مسئلہ ارد ہو جاتا ہے تو اس کے لئے سو بیج سنج کا
 ایک بھرتی کی فرمودہ رائے اپنی ہتھکڑیاں ہر اسی کے مطابق یقین کر لیتا ہے یعنی
 وہ شہادت اور ادا نام کو خود ہی اپنے گرد لاتا ہے اور خود کہیں جاتا ہے جیسے

اسیر المؤمنین علی بن ابی طالبؑ نے اس چیز کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور تصویر
کھینچ کر دکھلادیا ہے کہ کبھی کسی سے مرعوب ہونا بلکہ غور کرنا کہ حقیقت کیا کر فرماتے ہیں
ان البصائر الخلائق الی اللہ جل جلالہ رجل فکلہ اللہ الی نفسہ فہو جائز
من قصدہ السبیل شغوف بکلام عجمود عا ضلالۃ فہو فتنۃ لمن افتتہ
بہ مضال عن ہدی عن کان قبلہ مضل من اقتدی بہ فی حیوۃہ وبعد دفناہ حال
خطایا عیۃ رہی بخلیۃ۔

”تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک منجوس اور بے دو قسم کے شخص
ہیں ایک جس سے خدا نے توفیق کو سلب کر لیا ہے اور اس کے گناہ اتنے بڑھے کہ
اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ راست سے منحرف ہے
بہت کی باتوں اور گمراہی کی دعوت پر جان دے ہوئے ہے۔ وہ ایک بڑی آزمائش
ہے ان لوگوں کے لئے جو اس کے پائے پر ہیں۔ وہ بھٹکا ہوا ہے طریقہ کار سے ان لوگوں
کے جو اس کے پہلے تھے اور گمراہ کرنے والا ہے ان لوگوں کا جو اس کی پیروی کریں
اس کی زندگی میں اور اس کے مرنے کے بعد وہ دوسرے کے گناہوں کا برداشت
کرنے والا ہے اور خدا اپنے گناہوں میں گمراہ ہے۔“

ورجل فتن جہلا موضع فی جہال الامت عادی غیاش لفتنۃ عجمانی
عقد الہفتۃ قد سماہ اشباہ الناس عالم اولیس بہ۔

”وہ گمراہ انسان وہ جس نے جہالت کی باتوں کا ایک فیروزہ جمع کیا وہ جاہلوں

لا یحسب العلم فی شیء مما انکره ولا یرى ان من وراء ما یبلغ مذهباً
لغیبه "۲" اتنا تنگ نظر ہے کہ جس شے سے وہ چنبڑا کر اُس کے لئے علم کے وجود کا
خیال ہی ذہن میں نہیں لاتا یعنی یہ سوچتا ہی نہیں کہ کوئی دوسرا اس سے واقف
ہو گا اور وہ نہیں سمجھتا کہ جہاں تک پہنچا ہے اُسکے آگے بھی دوسرے شخص کے لئے
راہ موجود ہے۔

دان اظلم امر لکم تبہما یعلم من جمل نفسه -
"اگر کوئی مسئلہ اتنا گنجلک ہو کہ اُس کی سمجھ ہی میں نہیں آتا تو وہ سامنے ہی ہے
غائب ہو جاتا ہے چونکہ جانتا ہے کہ میرا مبلغ علم اس کے حل سے قاصر ہے۔"
تصریح من جور قضائہ الذمّاء و تعج منه الموارث -
ناحق قول اُس کے غلط فیصلوں کے فریادی ہیں اور میراثیں جو غیر مستحق لوگوں کے
پر بیخ گئی ہیں وہ اُسکے ہاتھوں پہنچ رہی ہیں۔

الی اللہ اشکو من معشر یعیثون حمالاً و یموتون ضالاً لا۔ "خدا ہی کی
شکوہ کرتا ہوں میں اس جماعت کا جو ہالت کی حالت میں زندگی گزارتی ہو اور
مگر اسی کے عالم میں دنیا کو خیر باد کہہ دیتی ہے۔"

لبس فیہم مسلعة البورن الکتاب ذاتلی حق تلاوتہ ولا مسلعة انفق بیعاً
ولا اعلیٰ ثمناً من الکتاب ذات حروف عن مواضعہ -
ان کے حلقہ میں قرآن سے بڑھ کر کوئی بے قیمت چیز نہیں ہے اُس وقت جب

کمری خود ہی اپنے گرد جال لگاتی ہے اور خود ہی گرفتار ہو جاتی ہے۔“
 لایدری اصاب ام اخطا فان اصاب خاف ان یکون قد اخطا وان
 اخطا رجاء ان یکون قد اصاب -

”اُسے نہیں خبر کہ جو میں کہہ رہا ہوں ٹھیک ہے یا غلط اگر ٹھیک بھی ہو تو اُسے
 اندیشہ لگا ہوا ہے کہ کہیں غلط نہ ہو اور غلط بھی ہو تو اُسے اُمید بندھی ہو کہ شاید صحیح ہی ہو۔“
 جاہل خباطت حلالات عاشق سراکب عشوات
 ”وہ جاہل ہے اور ہمالیت کی تار کیوں میں ہاتھ پاؤں مارنے والا ہے اندھا
 ہے اور اندھے پن کی باتوں کا مرتکب ہے۔“

لم یعین علی لعلم بعض من قاطع ”اُس نے علم کو مضبوطی اور استحکام کے ساتھ
 حاصل نہیں کیا اور اُس میں نقد و تبصرہ اور جانچ پڑتال سے کام لیا۔“

یذری لوقایات اذ ساء الوجع المہشم جاہلوں کے مجمع میں مھو کاٹینے
 کے لئے حدیثیں تیزی کے ساتھ بیان کرتا چلا جاتا ہے اُس کو اس سے مطلب نہیں کہ
 ان احادیث میں کوئی تناسب ہو اور کوئی ترتیب بلکہ وہ روایتوں کو اس طرح پھیلاتا
 رہتا ہے جس طرح ہوا خشک گھاس کو۔“

لامیء اللہ باصدار مادرح علیہ دلاہواہل لما فوض الیہ ”نزدہ
 ان شکلوں کے حل کرنے کی قدرت لکھا ہو جو مختلف مسائل میں اُسکے سامنے پیش
 ہوتی رہتی ہیں اور زندہ اہل ہر اس منصب کا جو اُسکے متعلق کیا گیا ہے۔“

اور شرارت کا اظہار ہے اور سارو پیادہ فوج کی قیادت ہے۔ اس نے اپنے نفس کو تلا ہوا
 رکھا ہر مفیدہ انگیزی پر اور اپنے دین و ایمان کو بالکل ہلاک کر دیا ہے تھوڑے سے
 مال دنیا کے لئے جسے موقع پا کر ڈالے یا کسی فوج کا سردار بن جائے یا مشیر بر بلند ہونا
 نصیب ہو جائے۔ یقیناً کتنی بری تجارت ہے کہ تم دنیا کو اپنے نفس کی قیمت سمجھ لو
 اور ثواب خداوندی کا عوض قرار دے لو۔"

وَمَنْ يَطْلُبْ لِدُنْيَا يَعْلُ الْآخِرَةَ وَلَا يَطْلُبْ الْآخِرَةَ يَعْلُ الدُّنْيَا وَمَنْ يَطْلُبْ
 مَنْ شَخْصَهُ وَقَادَرِ مِنْ خَطْوَةٍ وَشَمَرٍ مِنْ ثَوْبٍ وَزَخْرَفٍ مِنْ نَفْسِهِ لِلْأَمَانَةِ وَتَقَنَّى
 سَوَالَهُ خَدِيعَةً إِلَى الْمَعْصِيَةِ -

”اور کچھ لوگ وہ ہیں جو دنیا حاصل کرتے ہیں آخرت کے اعمال سے یعنی ناپائیدار و غرض
 حج و زیارت اور دیگر عبادات میں جو خالص مذہبی کام ہیں۔ دنیا طلبی کو اپنا مقصد
 قرار دے لیتے ہیں اور یہ نہیں کرتے کہ دنیا کے کاموں میں آخرت کو پیش نگاہ رکھیں
 انھوں نے اپنی صورت کو سکون و وقار کا مجسمہ بنا لیا ہے اور چھوٹے چھوٹے قسم دے
 ہیں اور دامنوں کو گردانے ہوئے ہیں اپنے نفس کو بناوٹ کے ساتھ آراستہ کر کے پیش
 کرتے ہیں کہ لوگوں ان پر اعتبار کرنے لگیں اور ان کی امانت داری کا یقین کر لیں اور وہ
 شاعر العیوب کے ڈالے ہوئے پردے کو ذریعہ قرار دیتے ہیں یہی کی نافرمانی کا ہے۔“

وَمَنْ يَطْلُبُ الْمَلِكَ ضُلُوعَ نَفْسِهِ وَانْقِطَاعَ سَبَبِهِ
 فَقَصْرُهُ الْحَالُ عَلَى حَالِهِ فَتَحْلِي بِاسْمِ الْقِنَاعَةِ وَتَزِينُ بِلِبَاسِ هَلِ الزَّهَادَةِ وَلَيْسَ

اگرچہ وہ اسے ہیش کیا جائے اور اسی قرآن سے برعکس رغوب اور غمینی کوئی چیز نہیں ہو جبکہ اسکی آیتوں کو بجا صرف کیا جائے یعنی ان کے مطلب کے موافق اسکی تاویل میں کر دی جائیں۔

ایک دوسرے مقام پر حضرت نے ان اشخاص کی تفصیل کی جو جن کے دلوں میں کم و بیش فساد پیدا کرنے کے جذبات موجود ہوتے ہیں لیکن بعض کو مواقع حاصل ہوتے ہیں اور بعض کو نہیں حاصل ہوتے۔ فرماتے ہیں۔

الناس علیٰ سبعت اصناف فمنهم من لا یمنعهم الفساد الا مما یتلفه
وکلالة حدة ونضیض وفتح۔

”دنیا میں لوگوں کی چار قسمیں ہیں بعض وہ ہیں جن کو فساد سے کوئی مانع نہیں ہو سوا اسکے کہ ان کا نفس حقیر اور باڑھ کند اور مال کم ہے یعنی نہ عزت و وجاہت ہی حاصل ہو کہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں اور نہ کوئی جو ہر ذاتی اور کمال صفت ہی موجود ہو کہ اس جو ہر سے دنیا کو رویدہ بنائیں اور مال و دولت ہی ہو کہ اس ذریعہ سے لوگوں کو اپنے راستے پر لائیں۔“

ومنهم المصلت لیسفوا المعلن بشرة والمجلب فیلہ ورجلہ قد
اشتر نفسه وادب وبق دیتہ لحطام یتھزہ او مقنب یقودہ او من یفرعہ
ولیس المبتخران قوی لدنیا النفس ثمتا وحوالہ عند اللہ عوضا۔

”اور کچھ لوگ وہ ہیں جن کے پاس سامان موجود ہو۔ ہاتھ میں کھنٹی ہوئی تلوار ہو۔“

اعمال و تقاضا کے مطابق ہونا چاہیے۔ لیکن اس کے سبب چنانچہ یہ کہ کون کس سے
کس کی آواز پر لبیک کہی جائے اور کس کی پیروی کی جائے۔ دو پہار نے دالوں میں
کون قابل اتباع ہے اور کون اس قابل نہیں ہو۔

میشک علمائے مذہب حتیٰ اتباع میں لیکن آپ فقہ کی کتابیں دیکھ لیجئے نہیں
یہ نہیں لکھا ہے کہ جو شخص بھی عالم ہونے کا دعویٰ کرے اس کی تقلید جائز ہے بلکہ شرط
قرار دے گئے ہیں جن میں سب سے بڑی چیز عدالت ہو اور اجتہاد۔ ان دونوں کی حقیقی
روح اور ان کا اصلی نتیجہ ہے علم اور عمل۔

علمائے مذہب نے کبھی تعلیم نہیں دی کہ انکھیں بند کر کے قوت نقد و تبصرو کو
معطل کر کے ہر ایک کی تقلید کر لو۔ بلکہ اس کے لئے شرط قرار دی ہو کہ اگر اطمینان ہو
اور اطمینان ایک شے ہے جو ضمیر سے متعلق ہو۔ پس جس شخص کے علم و عمل کے لحاظ سے
آپ کا ضمیر گواہی دے کہ یہ قابل اعتماد ہے اسکی جانب رجوع کیجئے۔

یہ چیز وہ ہے جو ہر شعبہ زندگی کو حاوی ہے کسی طبیب کے متعلق آپ کو معلوم ہو گیا
کہ یہ فن طب واقف ضرور ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ ہمارا بدخولہ نہیں ہو اور
حاجم ہو بھکر ہو غلط نسخہ استعمال نہیں کرے گا۔ اسکے بعد کوئی وجہ نہیں کہ آپ اپنے
درد کا درمان اُس سے طلب کریں لیکن اگر آپ کو ایک طبیب پر اعتماد نہ ہو تو ہرگز
اُس کا علاج نہ کیجئے۔ اب خولہ یہ بے اعتمادی اُسکے ہمارت فن اور واقفیت کا
کے متعلق ہو اور خواہ اسکی نیک نیتی اور ہمدردی کے متعلق۔

من ذلک فی مراح وکامغدی۔

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو نیا طلب اور جاہ پرست ہیں اور سلطنت مہمانبانی کا انتہائی شوق رکھتے ہیں مگر بے دست و پائی اور بے سر و سامانی اس مقصد میں انکی سدرہ ہر اہ ان کو انکی موجودہ حالت کا پابند بنائے ہوئے ہیں اس لئے وہ فحاشی کے ساتھ نامزد ہو گئے ہیں اور زاپردوں کے لباس سے آراستہ ہو گئے ہیں یعنی اس کا منظر اہم کرتے ہیں کہ ہجو دنیا کی مزدورت ہی نہیں اور دنیا چاری لگتا ہوں میں حقیر ہے حالانکہ ان کو قناعت و زہد سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

دینی رجال غفل بصادقہم ذکر المرجع والافتادہم خوف المحشر فہم بین شریک ناؤ وخائف مقبوع وساکت مکعوم وجام مخلص وکلان معجم
 ”اس کے بعد تھوڑے لوگ رہ جاتے ہیں جنہیں آخمت کی یاد دنیاوی اغراض سے کنارہ کش بنائے ہوئے ہیں اور جنہیں وہاں کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا ہے۔ انکو انبائے زمانہ کے ہاتھوں مصیبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں کسی کو ترک وطن کرنا پڑتا ہے۔ کسی کو جان کا خطرہ لگا رہتا ہے کسی کی زبان بندی ہوتی ہے کوئی غلوں کے ساتھ صحیح راستے کی طرف دعوت دیتا ہے اور کسی کو تکالیف و الالم میں زندگی گزارنا پڑتی ہے بیشک یہ مخلص جماعت کم ہوتی ہے۔ اس کی آواز سنی نہیں جاتی۔ اسے شور و شغب کی عادت نہیں ہوتی۔ اسے عوام کی جذب کرنے والی ترکیبیں نہیں آتیں۔ وہ گھبراہٹ گیر ہوتی ہے اور عزت پسندی اس کا شعار ہوتی ہے لیکن افراد کا پر کھنا۔ انکے

عوام یہود اس بابے میں بالکل ہمارے عوام کے مثل نہیں ہیں کہ یہ بھی اپنے علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پھر اگر ان کے لئے ان علماء کی پیروی درست نہ تھی تو ان کے لئے بھی ان علماء کی پیروی صحیح نہ تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک حدیث سے تو یہود کے عوام اور ہمارے عوام برابر ہیں لیکن ایک حدیث سے فرق ہے۔ سائل نے فرق کی وجہ پوچھا کی تو حضرت نے فرمایا کہ یہود کے عوام اپنے علماء کی نسبت یہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں، مال حرام کھاتے اور رشوت لیتے اور احکام خدا کو سفارشوں کی وجہ سے بدلتے ہیں، بجا جانبداریوں سے کام لے کر خدا و دل کے حقوق کو تلف کرتے اور غیر مستحق لوگوں کو ناحق دوسروں کے اموال کا مالک بنا دیتے ہیں۔

اگر ہمارے عوام بھی اپنے علماء کے متعلق یہ سمجھ لیں کہ وہ فسق و فجور میں مبتلا ہیں جانبداری اور خود غرضی سے کام لیتے ہیں اور دنیا کے اموال پر اس طرح آپس میں لڑتے ہیں جیسے کتے ہڈیوں پر اور یہ کہ وہ جس کے خلاف ہوتے ہیں وہ کتنا ہی خدا کیوں نہ ہو مگر اس کے حقوق کو ضائع کرتے ہیں اور جس کے طرفدار ہوتے ہیں وہ کتنا ہی حقیر کا تختی کیوں نہ ہو مگر اس کے ساتھ حسن سلوک سے کام لیتے ہیں تو جو شخص ہمارے عوام میں سے ایسے فقہاء کی تقلید کرے وہ انہی یہود نصاریٰ کے مثل ہے جنکی خداوند عالم نے مذمت کی ہے۔ لیکن جو شخص فقہاء میں سے اپنے نفس کی حفاظت کر نیو الا ہو اپنے دین کی نگہداری کرنے والا ہو۔ اپنے خواہش نفس کی مخالفت کرتا ہو اور اپنے خدا کے حکم کا مطیع ہو تو عوام کو درست ہے کہ ایسے شخص کی تقلید کریں

اسی طرح مسائل مذہبی میں ایک شخص کے علم کو سمجھ لیجئے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ ہمالت دلائی کی وجہ سے ہوگا مگر اسی میں مبتلا نہ کر گیا اور عمل کو پرکھ لیجئے کہ یہ جان بوجھ کر ہوگا مگر نہ کر گیا یعنی یہ سمجھنے کے باوجود کہ خلاف شرع ہے ہوکھو صرف خود غرضی اور ہستی کی بنا پر غلط تعلیم نہ دیگا۔ جب یہ دونوں باتیں پورے طریقہ پر پائے ثبوت کو پہنچ جائیں تو اب کوئی وجہ نہیں کہ آپ بات میں سبکی گرفت کیجئے۔ ہوگا اعتراضات کا آماجگاہ بنائے اور نکتہ چینیوں کا مرکز قرار دیجئے۔

بیشک شروع میں بڑی چھان بین کیجئے۔ سمجھ لیجئے کہ کون ہمارے لئے مصالح ہے اور کون مفسد۔ اندمی تقلید نہ کیجئے یعنی کسی انسان کو بے سمجھے بوجھے کہ اس کے خصوصیات کیا ہیں وہ ہمارے لئے مفید ہے یا مضر اپنا پیشوا نہ بنالیجئے۔

ہو اس کے بخ پر اڑنا، سیلاب کے ہاؤ میں بہہ جانا یہ اندمی تقلید ہے۔ اس کو اسلام نے رد کیا ہے۔ تقلید کر دو یہ سمجھ کر کہ جس پر ہم اپنے عمل کی ذمہ داری عائد کرتے ہیں یہ حقیقت اس قابل ہے کہ ان ذمہ داروں کو پورا کر سکے۔

طبری کی روایت میں ہے اس آیت کی تفسیر میں کہ ومنہم امتیون الامانیون المکتاب الامانی فانہم الامانیون جس میں یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے بات پر کہ وہ بے سمجھے بوجھے دوسروں کے کہنے پر چلتے ہیں کسی نے امام جعفر صادق سے دریافت کیا کہ جب یہود و نصاریٰ کو ذواتِ حقیت کی وجہ سے اپنی کتاب کے علم کا ذریعہ صرف یہ ہو کہ وہ اپنے علماء سے دریافت کریں تو پھر خدا نے انکی مذمت کس لئے کی ہے؟ کیا

اخلاق و مذہب گہرے ہوئے ہیں تو بھی اُن کا ضمیر اُن امور کے ناگوار ہونے کا احساس کرتا رہے گا۔ اور اس لئے ادھر سلطنت کی مٹھی دھیلی ہوئی اور ادھر اُن کے اصلی حیات و معتقدات پوری قوت کے ساتھ سیلابی شکل سے ابل پڑے اور حالات میں انقلاب ہو گیا یعنی وہ فساد صلاح سے بدل گیا۔

مجھے موقع نہیں ہے کہ میں تشریح کے ساتھ کسی چیز کو اب بیان کر سکوں مگر میں حوالہ دیتا ہوں کہ سلطنت عباسیہ کے متشدد سلاطین کے سوڈیٹھ سو برس کے طولانی دور میں سلطنت کے انتہائی جبروت و سطوت کے باوجود مذہب جعفری دنیا میں کیونکر باقی رہ گیا، ملاحظہ کیجئے دس بیس چالیس برس کی مدت نہیں صدیوں کا زمانہ اس میں سلطنت کی پوری طاقت ایک مسلک کے فنا کرنے میں صرف ہو لیکن پھر بھی وہ مذہب دنیا میں باقی رہے۔ اُس کے تعلیمات مدون ہوں اور اسکے احکام و مسائل محفوظ رہیں یہ صرف اُن علمائے مذہب کی اُن دبرانہ اصلاحوں کا نتیجہ تھا جو بغیر دنیا پر فتنہ پردازی کئے ہوئے بغیر فساد برپا کئے ہوئے، بغیر بغاوت کئے ہوئے، بغیر انقلاب پیدا کئے ہوئے، بغیر سخت سلطنت کو اُلٹے ہوئے، صرف خاموشی کے ساتھ اصلاح میں مصروف تھے۔ یعنی یہ تاریخ میں مصلحانہ حیثیت کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ سلطنت کے مقابلہ میں علماء کی اصلاحی جدوجہد کی کامیابی کا بہترین نمونہ ہے۔

ہاں بے شک شرط یہی ہے کہ علماء مخلص علماء ہوں اور اگر علماء خود ہو کر نہ رہیں

اور ایسے لوگ فتنائے شیعہ میں سے بعض افراد ہوتے ہیں۔ رہنمائی ہوتے ۛ
یاد رکھئے یہ مذہب نہیں ہر جس نے آنکھوں پر پردہ ڈالا ہو جس نے قوت عمل
و فکر کو سلب کیا ہو جس نے دماغ اور ذہن کو معطل کیا ہو بلکہ اُس نے قیود بیان کئے
ہیں شرائط عائد کئے ہیں نقد و تبصرہ کا احساس پیدا کیا ہے۔ اہل نظر کو دعوت دی ہے
کہ وہ سمجھ کر دیکھ کر کہ کون مصلح بن سکتا ہے اور کون مفسد کسی شخص کی پیروی پر آمادہ
ہوں اور اسکی آواز پر لبیک کہیں۔

حقیقی علمائے مذہب تھے وہ ہمیشہ مصلح عالم کے ذمہ دار رہے۔ حقیقت وہ
دوسری چیز جو فساد کی باعث بن سکتی ہے سلطنت کی طاقت، اس سے جو فساد دنیا میں
پیدا ہوتا ہے اُس کا مقابلہ کرتا ہے تو علماء مذہب کی صلاحی طاقت جبکہ
وہ مذہب کی صحیح خدمت انجام دیتے ہیں۔

باوجودیکہ بہت ممکن ہے علماء کسی وقت میں بے دست و پا ہوں اور نادبی
طاقتوں سے وہ حکومت کا مقابلہ نہ کر سکتے ہوں لیکن اگر وہ خود فساد کے رستے پر
نہیں جا رہے ہیں اور عالم کی بھی خواہی اور مذہبی رُوح کی صحیح زندگی اُن میں
موجود ہے تو وہ اُن تمام خرابیوں کے باوجود جو سلطنت کی فولادی گرفت سے معاشرتی
حیثیت پیدا ہو رہی ہیں ۱۔ بنی خاموش ہدایتوں کے ساتھ قوم کی ذہنی عقلی
صلاحیتوں کی حفاظت کرتے رہینگے جس کی بنا پر اگر وہ سب جو ظلم موجودہ حالت میں
سلطنت کے اجراء کردہ قوانین کے ماتحت کچھ ایسے امور کو اختیار بھی کریں جو عموماً

شریعت بھی تھا یکدم وہاں بھی پہنچا۔ اس موقع پر قبیلہ و کبیہ سلطان العلماء سید محمد صاحب ہونوا نکالنے یہ یادگار خط تحریر فرمایا۔ ذرا الفاظ دیکھئے گا سلطنت کے مقابلہ میں ایک مصلح مذہب کس طرح سے اپنے فرائض کو انجام دیتا ہے۔

”احکام شاری بہ ارتکاب قص و منہای در حکم جات رسید احوال حکم واجب الانقیاد جناب قدس آکھی بہ اقتضای از قص و غنا ظاہری بابا نگاہی از جانب اعلیٰ بنا بر دولت خواہی برسانید و دستخط فقیر را بلا خطہ معلیٰ بگذرانید و دوام حق اندیشہ نمائید ما علیٰ الرسول الا البلاغ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و بركاتہ
اس طرح سے حکام اور سلاطین سے مرعوب نہیں رہے بلکہ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ انھوں نے یہ احساس کیا کہ درحقیقت یہ وہ فرائض ہیں جن کے ذریعہ سے صلاح ملک و ملت ہوتی ہے۔

یہ غلط ہے کہ نظام سلطنت کے لئے علماء و مفتیان ثابت ہوئے۔ تاریخ اس کی گواہ ہے کہ ایران میں شاہ سلطان حسین صفوی کے سلطنت کی رونق جو علامہ مجلسی کے عہد میں تھی وہ انکی دفا کے بعد باقی نہیں رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کے عدم تدبیر نے خود سلطنت ہی کی بنیادوں کو منہدم کر دیا۔

وہ چیزیں جن تک سلاطین کا دماغ نہیں پہنچتا تھا وہ صرف مصلحین مذہب تھے جن کا دماغ ان نکات تک پہنچ جاتا تھا اور انھوں نے وہ صلاح کی جس سے سلطنت کو فائدہ حاصل ہوا اور دنیا نے اس کی گواہی دی کہ تدبیر کا اقتضا یہی تھا۔

اثر نے والے، خود سلطنت کی طاقت سے مرعوب ہو جانے والے، خود سلاطین و ملوک کے دروازوں پر سجدے کرنے لگے تھے تو وہ سلطنت کے مفہم نہ تھے اس لیے کہ مقابلہ کیا کرینگے خود ہی جس رات پر سلطنت جا بیگی اس راستہ پر چلے جائینگے۔

حقیقی علماء جو تھے وہ کسی سلطنت سے مرعوب نہیں ہوئے تھے مخفاد عامہ کا ہمیشہ خیال رکھا یعنی سلطنت سے بزد و قوت نقصان مفاد عامہ کے خلاف سمجھا مگر احکام مذہبی کی تعین کو بھی ہمیشہ اپنا فریضہ خیال کیا۔

خفا کے صوبہ اودھ کی تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء نے کس طرح اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے میں سلطنت کی طاقت کا اثر نہیں لیا۔ اقبشریح کا وقت نہیں ہوا اور بہر حال مجھے بیان ختم کرنا ہے خاب غفر اناب کا بھنگ کے متعلق موعظ کا واقعہ۔ مجھے تفصیل سے اسے بیان نہیں کرنا ہے مشہور ہے۔ یہ کہہ دیا گیا تھا کہ مجلس وعظ میں بادشاہ آگئے ہیں اس لئے آج بھنگ کے متعلق کچھ بیان نہ ہو۔ فرمایا آج ہی تو اسکا موقع ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سچ مصلحانہ آواز تھی اس لئے اس کا اثر بھی ہوا۔ لیکن میں جو چیز پیش کرنا چاہتا ہوں حقیقتہً تاریخ اودھ میں یادگار حیثیت رکھتی ہے۔

مولوی عبدالغنی کی تاریخ اودھ جلد ۷ میں۔ یہ واقعہ مذکور ہے کہ کسی شاہی محل کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور بادشاہ نے خوشی میں حکم دیا کہ کراہی دفتروں میں محفل قص و سرود قائم کی جائے۔ چونکہ دفاتر حکومت میں محکمہ مرا فعد و

گو بجی تھی کوئی جواب دینے والا نہ تھا لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ اسی پر اس خاموش صدا
 نے ایک وقت میں دنیا کو اپنی صدائے بازگشت سے معذور کر دیا۔ تلواروں کی جھجکاؤں
 پاتی نہیں ہیں لیکن وہ لاکھ لاکھ الاقتر کی آواز دنیا کے ہر ہر گوشہ میں ہر مسلمان کے کان
 میں پہنچ دقت اس علان کے ساتھ آتی ہے جس سے شان توحید کا مظاہر ہوتا ہے۔
 اسلام کو قائم کرنے والی وہی چیز تھی جس کا اثر پادار رہ گیا لیکن مسلمانوں
 کی غلط فہمی ہے کہ وہ اسلام کی روح جنگ جہل ہی کو سمجھ لے ہیں اس لئے ہر موقع
 بے موقع جھگڑا جان دینے والے کو "شہید" اور جان لینے والے کو "غازی" کا خطاب
 دیتے ہیں۔ یہ ہرگز اسلام کی تعلیم نہیں ہے۔

حالات حاضرہ

یا

دنیا کے موجودہ فسادات

دنیا میں ہمیشہ صلاح اور فساد کی طاقتیں برسرِ پیکار رہی ہیں اور مختلف
 طرح کے فسادات پیدا ہوتے رہے لیکن ماضی اب گزر چکا ہمارا اسکے ساتھ
 اب براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ دیکھنے کی یہ ضرورت ہے کہ اس وقت

ملاحظہ کیجئے یہ مرکز حکومت برطانیہ کی سلطنت تجارتی شریعت ہوتی ہے ہندوستان
 آج سمجھئے معنی جب وہ پہلا قدم اٹھا تھا۔ تو ہندوستان میں کوئی نہیں سمجھا تھا اب
 جبکہ نتیجہ سامنے آگیا تب سمجھ گئے کہ یہ تجارتی سلطنت قائم ہوتی ہے۔ ایران میں
 ناصر الدین شاہ نے بھی اس کو نہیں سمجھا تھا جبکہ انھوں نے تمباکو کا معاہدہ سلطنت
 برطانیہ کے ساتھ کیا لیکن سرکار میرزا نے شیرازی وہ تھے جنھوں نے یہ اندازہ
 کر لیا کہ یہ معاہدہ تمباکو کا نہیں ہے بلکہ ملک ایران کا بیغنامہ ہے چنانچہ وہ سرکار
 میرزا ہی تھے جنھوں نے ایسے پر جبروت بادشاہ کے مقابلہ میں یہ فرمان نافذ
 کر دیا تھا کہ تمباکو پینا حرام ہے۔

اس حکم کا وہ اثر تھا کہ ایران میں انقلاب ہو گیا دوکانیں بند ہو گئیں قلیاں
 توڑ ڈالے گئے تمباکو کی تعلیم متروک ہوئی جس کا اثر تھا کہ ناصر الدین شاہ نے مجبور ہو کر
 ٹھیکہ منسوخ کیا وہ الفاظ تھے جبکہ یہ نتیجہ تھا درنہ آج ایران اسی طرح غلام ہوتا
 جس طرح ہندوستان غلام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ علماء مذہب اگر حقیقی معنوں میں عالم مذہب ہیں تو وہ عالم کی
 ایسی اصلاح کر سکتے ہیں کہ دنیا میں کوئی مصلح ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہرگز عالم
 وہ نہیں ہے جو دنیا میں فساد پیدا کرے۔ ہنگامہ برپا کرے اسلام تعلیم دینے کے لئے
 نہیں آیا ہے کہ خواہ مخواہ جنگ جہل برپا کر دے بلکہ وہ خاموشی کے ساتھ اصلاحی جدوجہد
 کا حامی ہے۔ قولو لا الہ الا اللہ تفلحوا کی وہ ایک ادارہ تھی جو ظالموں و فاسقوں

دیا جاتا ہے کہ مذہب فساد کا ذریعہ ہے، اس لئے مذہب مٹانے کے قابل ہے
 دنیا امن و امان اور سکون و اطمینان کی محتاج ہے اور مذہب اس سکون و اطمینان
 کا دشمن ہے۔ مذہب جھگڑے کرتا ہے۔ مذہب فساد برپا کرتا ہے اس لئے
 مذہب کو مٹا دینا چاہیے اور اسی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ علمائے مذہب کے اقتدار کو
 بھی فنا ہونا چاہیے کیونکہ اس جاعت کے ذریعہ ہمیشہ خریب ہی ہوتی رہی
 اور یہ طبقہ دنیا کو ہمیشہ فساد کی طرف لیجا تا رہا۔ درحقیقت یہ دونوں چیزیں
 دست و گریبان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یعنی اگر مذہب فساد کا ذریعہ ہے تو
 بے شک علمائے مذہب کا اقتدار بھی فنا کئے جانے کے قابل مگر میں نے گزشتہ
 بیانات میں اسکو واضح کیا ہے کہ مذہب فساد کا ذریعہ کس لئے قرار پایا۔ میں نے
 دکھلایا کہ چونکہ مذہب اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے اسی لئے اس کو فساد کا ذریعہ
 قرار دیا گیا۔ اس کے لئے میں نے مثالیں دیں کہ جتنی بیش قیمت چیز ہوگی اسی کی
 نقل زیادہ اتاری جائیگی اور ملمع زیادہ پرفریب کیا جائیگا۔

مذہب کے ذریعہ فساد قرار دئے جانے کا رمز بھی اسی اصلاحی طاقت ہے جو
 اسکی اصل حقیقت میں مضمر ہے۔ مذہب کا لباس مختلف تحریکوں کو اسی کو پہنا یا
 جاتا ہے کہ ہر انسان کے دماغ میں مذہب کا نام سنکر ہی یہ بات آجاتی ہے کہ میں
 کوئی فتنہ پرداز شریک نہیں ہوں۔ بس اسی لئے غلط تحریکوں کو مذہب کا لباس
 پہنا یا جاتا ہے کہ یہ انقلاب و نہایت کا کامیاب ذریعہ ہے۔

دنیا میں کیا فسادات موجود ہیں اور اس وقت جو فساد ہیں ان میں ہلکے کیس
طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے۔

موجودہ زمانہ میں جو سب سے بڑا فساد مفاد عامہ کے لئے نہایت
خطرناک ہے وہ لائڈمہیت کا سیلاب ہے۔ میں نے "تعمیرِ نیا" کے
صفحہ ۱۱۱ پر لائڈمہیت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ مذہب کس طرح سے دنیا کی اصلاح
کا ذمہ دار ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ لائڈمہیت ایک فسادِ عظیم کی حیثیت
رکھتی ہے جو کسی ایک شعبہ زندگی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ عقلی، معاشرتی، تمدنی،
اقتصادی، اخلاقی ہر قسم کے فساد کا سرچشمہ ہے یعنی دنیا میں ایک عظیم انقلاب
ہو رہا ہے دماغوں میں، ذہنیاتوں میں، معاشرت میں، اخلاق و عادات میں
ہر طرف تبدیلیاں ہو رہی ہیں صرف اس لئے کہ مذہب کی جگہ لائڈمہیت نے
لے لی ہے۔

یہ لائڈمہیت اپنی بے صولیوں کے ساتھ اس وقت ترقی کر رہی ہے اس کے
اسباب کیا ہیں اور کیا دلائل ہیں جو مذہب کے خلاف پیش کئے جاتے ہیں اور
لائڈمہیت و مذہب کا تصادم کن وجوہ پر مبنی ہے اور انکا حل کیا ہے؟ یہ خود
ایک مستقل موضوع ہے جو جداگانہ حیثیت سے محلِ بحث قرار پانے کا مستحق ہے
لیکن اس وقت مجھے صرف اس شعبہ سے مطالب ہے جو میرے موضوعِ کلام میں
داخل ہے۔ وہ یہ کہ دنیا میں ایک سبب لائڈمہیت کے اختیار کرنے کا یہ قرار

مذہب فنا کرنے کے قابل نہیں ہے۔ مذہب ہی سے دنیا میں تمدن کی اصلاح ہوتی ہے۔ بے شک یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ حقیقی مذہب کے حقیقی تعلیمات جو واقعی اصلاح تمدن کے ذمہ دار ہیں۔ وہ کیا ہیں۔ اس میں تھوڑی سی قوت غور و فکر صرف کر نیکی ضرورت ہوگی۔

گرمیں اس کو ایک دماغی کاہلی سمجھتا ہوں کہ انسان ایک چھدا ہے پر ہونے کے اس خیال کے معلوم نہیں کون راستہ اس میں ٹھیک ہے اس چوراہے سے ہٹ جائے نتیجہ یہ ہوگا کہ منزل سے جتنا قریب ہوا تھا اب اتنا ہی پھر دور ہو جائیگا اسکو لازم ہے کہ وہ دریافت کرے اور پوچھے کہ ان میں سے کون راستہ منزل مقصد تک لگایا ہوا ہے۔

اسی طرح مذاہب کا اختلاف دنیا میں اگرچہ دماغ کو پریشانی اور اضطراب میں ضرور مبتلا کرے گا کہ انسان کا خو کیا کرے اور کہہ جائے لیکن اس کے معنی نہیں ہیں کہ وہ اصل اس نقطہ مشترک ہی سے ہٹ جائے جہاں سے مختلف مذاہب کی شاخیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ کیا کہ کیا معلوم کون مذہب حق ہے اور کون باطل کون مذہب اصلاح کا ذمہ دار ہے اور کون نہیں لہنا ہم مذہب کے ہی بار آئے یہ بات دماغی کاہلی کی حیثیت رکھتی ہو۔

اگر انسان کی ترقی اس میں ہے کہ وہ دماغی قوتوں کو مقام عمل میں لا کر صرف کرے تو وہ حقیقت یہ اس کی دماغی ترقی نہیں سمجھی جا سکتی کہ وہ اختلاف مذاہب کے

ان کے اصل ذہن کے مشابہت ایک طرف اگر ان فساد کی کارروائیوں کے
سرداب کا باعث ہے تو دوسری طرف اس حقیقی ذہن کے اصلاحی مفاد کو بھی محو کرنا
ہے جو درحقیقت اصلاح کا موثر ترین سبب ہے۔

جھوٹ کو جب تک سچ کا لباس پہنا یا جالے وہ جھوٹ نہیں ہے تو کیا سچ مشابہت
کے قابل ہے اسلئے کہ جھوٹ کو سچ کا لباس پہنا یا جاتا ہے؟ سونا دنیا سے فنکار دینے
کے قابل ہے اسلئے کہ پتیل سونیکا طمع اپنے اوپر چڑھا کر سونا بن جاتا ہے؟ پانی دنیا
سے محو کر دینے کا حق ہے اسلئے کہ سراب آب کی شکل بن کر پیاسوں کو دھوکا دیتا ہے؟
حقیقت فنکار دینے کے قابل ہے اسلئے کہ مجاز حقیقت کا بھیس بدل کر سامنے آتا ہے؟
اس طرح تو دنیا میں ہر قیمتی چیز فنکار دینے کے قابل ہوگی اس لئے کہ اسکی
خلف نقل دنیا کو دھوکا دیتی ہے۔

سچ بہر حال سچ ہے سونا بہر صورت قیمتی شے ہے۔ پانی ضرور حشر پر زندگی
ہے اور ہر حقیقی شے جو دنیا کے لئے مفید ہو وہ بہر حال مفید ہے لیکن ضرورت اس بات
کی ہے کہ انسان آنکھیں کھول کر نقل اور اصل میں تمیز کرے۔ وہ سمجھے کہ کون
حقیقت ہے اور کون مجاز۔ کون حق ہے اور کون باطل۔ کون سچ ہے اور کون
جھوٹ۔ نہ کیے جھوٹ کے اندیشہ میں سچ کو فنا ہی کر دیا جائے۔

ذہن کا نام دنیا میں فساد کا ذریعہ قرار پایا۔ اسکے تسلیم کرنے میں مجھے کوئی
خوف نہیں ہے میں تو خود اس کا طویل شکوہ اس کے پہلے کر چکا لیکن اسکی وجہ سے

اصلاح کی حقیقی جدوجہد یہ ہوگی کہ آپ مذہب کے تعلیمات کی ترویج کریں اللہ اسکی
کو شریک کریں کہ دنیا ان کی سالک بن جائے۔
لیکن یہ کہنا بالکل غلط ہوگا کہ مذہب دنیا میں فساد اور بربادی کا پیش رو ہے
اس لئے ثابت کرنے کے قابل ہو۔

بہمی اختلافات کا فساد

جو کچھ میں نے اس کے پہلے کہا وہ اصل تعلیمات اسلام سے تعلق رکھتا ہے مگر میرے
الفاظ کی روانی کم ہو جاتی ہے۔ میری زبان میں وہ طلاق باقی نہیں رہتی جب
میں مسلمانوں کے طرز عمل پر نگاہ ڈالتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ مذہب جو
دنیا میں امن و امان کے تعلیمات کا علمبردار تھا۔ جو دنیا سے اختلافات کو مٹا
دینے کے لئے آیا تھا اس مذہب کو ذریعہ فساد قرار دیا گیا۔ اور اسکے لئے والے
ایک دوسرے کا گلا گھونٹنے کے اور پٹیا اور طرح طرح کی اینٹ مار سانی کے اور
آمادہ ہیں۔

سب سے بڑی چیز جس کا پیغمبر اسلام نے سد باب چاہا تھا وہ تھی کہ مسلمان
ایک دوسرے کو کافر نہ کہیں صحیح بخاری میں تو یہاں تک ہے کہ من کفر مسلما
فقد باء بہ احدھا۔
اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص کسی سچے مسلمان کو کافر بنا لے وہ خود کافر ہے۔

آماجہ میں اپنی قوت امتیاز کو صرف لئے بغیر سب راہ اختہ ہو جانے بلکہ اُس کو تحقیق کرنا چاہیے کہ حقیقی مذہب کے تعلیمات کیا ہیں۔

دنیا میں اسلام اس بات کا علمبردار ہو کر آیا تھا کہ وہ امن و امان قائم کرے اور اُس نے اپنا جوہر خصوصی قرار دیا۔ کنتم اعداء خالف بین قلوبکم فاصبحتم بمنعتہ اخوانا۔

”تم لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اُس نے تمہارے دلوں میں میل جول پیدا کیا جس کی برکت سے تم بھائی بھائی ہو گئے۔“

انما المؤمنون اخوة ”سب خدا کو ماننے والے آپس میں بھائی بھائی ہیں“ اُس نے ظاہر کر دیا کہ یہ دنیا میں عالم انسانیت کے مانند جو پھوٹ ڈال دی گئی ہے یہ تمام تفریقیں محو ہو جانے کے قابل ہیں۔ قریشی اور غیر قریشی کا امتیاز نہ ہو۔ کالے اور گورے میں فرق نہ ہو بلکہ سب مساوات رکھیں گویا ایک عظیم برادری دنیا میں قائم کر دی جس میں ہمدردی ہو جس میں مواسات ہو جس میں یثار ہو۔

اگر کوئی مذہب یا سہا ہے جو اپنے تعلیمات کے اعتبار سے دنیا میں امن و امان کا حامی ہو، صلح و دوستی کی فضا پیدا کرنے کا علمبردار ہو تو یقیناً وہ مذہب اصطلاح عالم کے لئے باقی رکھے جانے کے قابل ہے۔ یہ اور بات ہے آپ کہے کہ اُس کے ماننے والے درحقیقت اُس پر عامل نہیں ہیں، اسکے معنی یہ ہونگے کہ مسلمان ہمارے میں درحقیقت مسلمان نہیں ہیں۔

دو بھائی ذاتی امور میں ایک دوسرے کے ساتھ متحد رائے نہیں ہوتے۔ افراد انسانی بہت سی باتوں میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں اور معاشرت میں۔ امور تمدن میں اور ہر شعبہ زندگی میں لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ یہ اختلاف عداوت کی شکل اختیار کرے اور ایک دوسرے کے خون کا پیا سا بن جائے۔

کیوں نہ ہم مشترک امور پر مجتمع ہوں۔ اُن نقطوں پر جو ہم میں اختلافی حیثیت نہیں رکھتے۔ ہمارا رسول ایک ہمارا خدا ایک، ہماری کتاب ایک، ہمارا قبلہ ایک، نماز بہر حال دونوں کے نزدیک ایک، روزہ دونوں کے نزدیک فرض اسلام کے اندر ان چیزوں میں اختلاف نہیں ہے۔ اہلبیت رسول تمام مسلمانوں کے نزدیک قابل عزت ہیں کون مسلمان ہے کہ اس کے مذہب میں اہلبیت رسول قابل عزت نہوں پھر کیوں نہ ہم انہی مشترک نقطوں پر اگر ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہو جائیں کیوں نہ ہم میں تہنی رواداری پیدا ہو اور ہمارے دل میں تہنی وسعت ہو کہ ہم اختلاف کو برداشت کر سکیں یعنی یہ سمجھنے کے باوجود کہ خیال میں اختلاف ہو ہم اُن اختلافات کا لحاظ نہ کریں، اتحاد عمل سے کام لیں۔ مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہو جس کا نتیجہ یہ ہو کہ ہم آپس میں دست و گریباں ہوتے ہیں۔ یہ طریقہ درحقیقت خود مسلمانوں کیلئے مضر ہے۔ قرآن مجید نے بتلادیا تھا کہ لا تنازعوا فلتفشوا و تذہبوا بحکمنا آپس میں جھگڑے نہ کرنا، نہیں تو تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا گرج جائیگی۔ مگر ہم نے اس تعلیم کو بھلا دیا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اس وقت ہندوستان جنوب

رسالت کی حیات میں ایسی جماعتیں موجود تھیں جن کے متعلق قرآن نے کہا کہ ان کے دلوں میں حقیقی اسلام کی روشنی نہیں ہو لیکن رسالت نے یہ کبھی نہیں کیا کہ منافقوں کے دلوں سے پردہ ہٹائیں۔ باوجودیکہ آپ کو خدا کی طرف سے بتا دیا گیا تھا، باوجودیکہ آپ کو تعلیم دیدی گئی تھی لیکن چونکہ ان لوگوں کے افسانے رائج مسلمانوں کی ظاہری ہیبتی دیک رنگی کو صدمہ پہنچتا۔ اس بنا پر آپ نے ان کو کوئی پردہ دہدی نہیں کی بلکہ پردہ داری سے کام لیا۔

اگر آپ کسی شخص کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ سچا مسلمان نہیں ہے اور حقیقی عقائد نہیں رکھتا۔ اسکا نماز روزہ وغیرہ سب ظاہری ہے۔ اس میں روح نہیں ہے تو آپ فرماتے تھے کہ ایسے ظاہری نماز روزہ بجالانے ہی والوں کے ساتھ مجھے حکم ہے کہ میں اسلامی برتاؤ کر دوں اور ان کے قتل سے مجھے ممانعت ہے۔

اسامہ بن زید نے لڑائی میں ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے تلوار کے سامنے آتے ہی لاکھ لاکھ اللہ کہہ دیا تھا حضرت نے سخت غصہ فرمایا اسامہ نے کہا اس نے تلوار کے خون سے کلمہ جاری کیا تھا تو فرمایا کہ کیا تم نے اس کے دل کو شگافتہ کر کے دیکھ لیا تھا۔

پیغمبر اسلام کی تعلیم تھی جس کو ہم نے پس پشت ڈال دیا۔ باراد سچ مشعل ہے کہ اپنے مخالف فریق کو کفر کے فتوے سے سرفراز کریں حضرت اس بنا پر کہ وہ ہمارے ساتھ اتفاق مسک نہیں رکھتا حالانکہ اختلاف طبائع انسانی میں ناگزیر ہے

انا کہنے ملے نے سچائی اور نیک نیتی سے نہیں کہا لیکن ہکو تو مقلد کو دیکھنا چاہیے۔
 میں سچ کہتا ہوں کہ اگر ان الفاظ میں سچائی ہوئی تو میرا ضمیر خود میرے اوپر ملامت کر گیا۔
 ہم کو خود شرم آئیگا موقع ہے۔ ہم اے اخلاق، اور ہمارے اوصاف اتنے طشت از باہم
 ہو گئے کہ اب وہ غیروں کی طرف سے ہمارے منہ پر لائے جاتے ہیں اور ہم کوئی جواب نہیں دے سکتے
 یقیناً اگر ہم اپنے تئیں مسلمان کہتے ہیں۔ اگر ہم اپنے تئیں امت مرحومہ کا مصداق بتاتے
 ہیں اگر ہم اپنے تئیں نجات کا مستحق سمجھتے ہیں تو ہم کو اپنے افعال اعمال سے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ
 ہم امت مرحومہ کے جانیے مستحق ہیں اسلئے کہ ہم اس پیغمبر اسلام کی تعلیم پر عمل کر نیوالے ہیں جو
 رحمتہ للعالمین بنا آیا تھا۔

تعجب کی بات یہ کہ عیسائی جنکی ذریت اور انجیل میں یہ موجود ہے کہ ہم مصلح اور سلامتی
 لائے نہیں آئے ہیں بلکہ تفریق ڈالنے آئے ہیں ہم اس لئے آئے ہیں کہ اب کو بیٹے سے اور
 بھائی کو بھائی سے جدا کر دیں عیسائیوں کی انجیل مٹی میں یہ الفاظ موجود ہیں جس پر عربوں
 کی کتاب میں تعلیم موجود ہو وہ دنیا میں کھیتی اور اتفاق کا نمونہ پیش کر رہے ہوں لیکن
 مسلمان جن کی کتاب میں یہ ہے کہ ہم اتحاد پیدا کرنے آئے ہیں وہ دنیا میں فراق کا نمونہ
 پیش کریں۔ باہمی تقاضا۔ جنگ جہل۔ ایک دوسرے کے خون کے پیالے۔ ایک دوسرے کو
 قتل کرنے کے لئے پیالہ۔ اسوقت جبکہ آئین جدید کی تشکیل ہو رہی ہے جبکہ ہندوستان
 ایک نئے دور زندگی میں داخل ہو رہا ہے جبکہ ہر ایک اپنے اپنے اقتدار کے اضافہ کی طرف متوجہ ہے
 عین اسوقت ہر اپنے درمیان پرانے جھگڑوں کو زندہ کرنے میں مصروف ہیں۔

آئندہ ساری مسلمانوں کو جتنے عظیم مشکلات کا سامنا ہے، ان عظیم مشکلات میں ہمارا
 طرز عمل اگر یہ رہا، اگر ہم آپس میں لڑتے رہے، اگر یونہی ہم میں تصادم ہوتے رہے تو
 نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارا وجود صفحات ہندوستان سے اسی طرح محو ہو جائیگا جس طرح اسپین
 ہمارا وجود فنا کر دیا گیا جس طرح فلسطین سے مسلمانوں کے نکالنے کی کوشش کی جا رہی
 ہے ہمارے وجود کو فنا کر دیا جائے اسکی کوشش تمام دنیا میں جاری ہو۔

ہندوستان میں کہ جو مختلف طاقتوں کا آجکل کا ہے اور مرکز پر مختلف قوتوں
 کے باہمی تصادم کا اگر ہم نے اپنی قوت اجتماعی کو منظم نہ کیا۔ اپنے عناصر کو مجتمع نہ کیا
 تو ہرگز ہمارا وجود اس صفحہ پر باقی نہیں رہ سکتا اور ہرگز ہم اس سرزمین پر زندہ
 رہنے کے قابل نہیں ہیں۔

کہتے افسوس کی بات ہے کہ کونسل میں آریوں کے قانون عقد نکاح کے بارے میں جب
 یہ سوال پیش کیا جائے کہ ہندو مذہب کوئی ایک مذہب نہیں ہے تو ہندو ممبروں کو یہ کہنے کا
 موقع ملے کہ اسلام کیا ایک متحد مفہوم رکھتا ہے اگر اسلام کوئی ایک متحد مفہوم رکھتا ہے تو
 کس لئے مسلمان ایک دوسرے کو کافر کہتے اور اکثر ائمہ کا کہ جو حققت اسلام کی دعوت دیکھا
 تو وہ یہ کہ اسلام کے رستے سے ہٹ جائیں کہ اسلام میں بہت سی جاہلیتیں ہیں۔ یہاں تک کہ
 جماعت کا ساتھ دوں یا دکاناڑی کے بیٹے جو حققت اسلام قبول کر کے دوبارہ اپنے دیرینہ مذہب
 پلٹنا چاہیں تو یہ بیان دین کہ میں نے مسلمانوں میں کوئی خلائی بندی ایسی نہیں پائی جو دوسرے
 مذہبوں میں نہ ہو۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اس وقت جو بھی کہے کہ مذہب کے واسطے لازماً وہ مصلح نہیں ہی
مفسد ہی۔ مصلح وہ ہے کہ جو اس وقت ایک متحد راستے پر لائے اور یہ کہے کہ آپ کے
اختلافات ٹھاؤ۔ آپ کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی ایک فرق اپنا مسلک ترک کر دے۔ جو نظری
اختلافات صدیوں سے نہیں ٹٹے وہ ایک وقت میں کیسے مٹ سکتے ہیں لہذا یہ مطلب نہیں
ہے کہ ہر ایک اپنی رائے کو بدل دے۔ ہر ایک اپنے مذہب کو چھوڑ دے بلکہ مطلب یہ کہ کثرت
ان اختلافات کو زیادہ اچھا لیں نہیں بلکہ متحدہ مقاصد و غرض میں متحد حیثیت سے کوشش
کی طرف متوجہ ہوں۔ پس میں جنگ نہیں۔ تصادم کی صورتیں نہ پیدا کریں۔
مجھے تو انیسویں صدی کے مسلمانوں کے لئے ننگ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے داخلی مسائل میں
غیر مسلم جماعتوں کی جانب سے حکم مقرر کئے جائیں۔ یہ درحقیقت اسلام کیلئے ننگ عار کا باب ہے۔
مسلمانوں کے لئے نہایت شرم کا مقام ہے کہ ان کے قوائے صلاحی اتنے معطل ہو گئے ہیں۔
ان میں صلاح و رواداری کی طاقتیں اتنی فنا ہو گئی ہیں اور اسلامی یکجہتی کی روح اتنی
مضمحل ہو گئی ہے کہ آپس میں خود سی نقطہ پر نہیں پہنچ سکتے غیر مسلم جماعتوں کو
اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ ان کے درمیان جو فسادات پیدا ہوں انکا تدارک کریں
یعنی مسلمانوں کے مصلح غیر مسلم قرار پائیں۔

بیہمتانی قابل عبرت صدمت ہے۔ اگر ان حالات میں تبدیلی نہوئی بلکہ حیرات
ترقی پذیر ہے یا اسی صورت پر قائم ہے تو اسلام کا خدا حافظ اور مسلمانوں کو خود اپنی
ہستی کے اوپر پہلے ہی سے فاتحہ پڑھ لینے کی ضرورت ہے۔
(تمت)